SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو' وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے...مارگریٹ میڈ

شہری
برائے بہتر ماحول

جنوری تا اپریل 2002ء

اندرونی صفحات پر

- تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزی
- پانی کی فراہمی
- شہری سیمینار
- عورتوں کا عالمی دن

کراچی کا ساحلی ماحول: کیا فنا پذیر ہے؟

مشرقی کھاڑیوں کی زمین کی ناجائز اور غیر قانونی الاٹمنٹ کراچی ہاربر پر تباہ کن منفی معاشی اور ماحولیاتی اثرات کا باعث ہوگی

ساحلی علاقے کے ماحول کی ترقی اور اصولوں کی بنیاد بعض پائیدار اصولوں پر ہے جسے لفظ ''ماحول'' کی تشریح اور وضاحت کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے اس کی ترجمانی مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ ماحول کی وضاحت ایک ایسا علاقہ ہوسکتا ہے جو انسانوں کے گرد ہو، اور اس ماحول میں نہ صرف فطری ماحول شامل ہے بلکہ آفات کا تدارک اور آسانیاں بڑھانے کے لئے انسانوں کے تخلیق کردہ ڈھانچے اور نظام بھی شامل ہیں۔

ساحلی علاقے منفرد اور بے بدل ماحولیاتی نظاموں کے حامل ہیں۔ بیک وقت انسان ساحلی علاقوں کو نقل و حمل کی سرگرمیوں۔ ذرائع اور توانائی پہنچانے، صنعتی استعمال اور تفریح کے لئے حد درجہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ساحلی علاقے اندرون ملک آفات کے خلاف اولین دفاعی خطوط ہیں۔ مختصراً یہ کہ ان کے تین عملی پہلو یعنی ماحولیاتی خدمات کی فراہمی، آفات کا تدارک اور انسانی استفادہ ہیں۔ جو ساحلی علاقوں سے انسانی رشتے کا حصہ ہیں ان میں ہر پہلو ایک دوسرے سے مبہم انداز میں پیوستہ ہے۔ نتیجے میں انسانوں کو مجموعی طور پر ساحلی علاقے کے ان تین حقائق کا انتظام کرنا اور انہیں مانیٹر کرنا چاہئے تاکہ ساحلی علاقے سے انسانی رشتے کی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کو یقینی بنایا جاسکے۔ بدقسمتی سے ساحلی علاقے انسانی سرگرمیوں کے شدید حملے کے تحت متزبذب ہیں۔ دنیا بھر میں بیشتر ساحلی علاقے حد سے زیادہ بھری ہوئی۔ حد سے زیادہ ترقی یافتہ اور حد سے زیادہ استحصال شدہ ہیں۔

(بائیں) انڈس ڈیلٹا کو مصنوعی سیارے کے ذریعے لیا گیا خاکہ
(دائیں) چینا کریک۔ کراچی کی مشرقی کھاڑی کا حصہ

انڈس ڈیلٹا کی کھاڑیاں

- کاجھار کریک
- سرکریک (یہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ساحلی سرحد بناتی ہے)
- واری کریک
- ڈبو کریک
- واڈی کھڈی کریک
- کورنگی کریک
- چینا کریک
- کلفٹن کریک
- گذری کریک
- نانگو کریک
- گھورو کریک
- کھڈی کریک
- پکی بندر کھڈی کریک
- چھار کریک
- موٹنی کریک
- سیسا کریک

شہری

جی 206 بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس

کراچی۔75400، پاکستان

ٹیلی فون/فیکس 92-21-453-0646

E-mail: Shehri@onkhura.com

(Web site) URL:http://www.onkhura.com/shehri

ایڈیٹر : بینا صدیقی

انتظامی کمیٹی:

چیئرپرسن : خطیب احمد

وائس چیئرپرسن: ایس رضا علی گردیزی

جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی

خزانچی فاروق فضل

ارکان :نوید حسین، رونالڈ ڈی سوزا

قاضی فائز عیسیٰ

شہری اسٹاف:

کوآرڈی نیٹر : مسز منصور

اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر: محمد ریحان اشرف

شہری ذیلی کمیٹیاں:

آلودگی کے خلاف : نوید حسین

تحفظ ورثہ: دانش آذر زوبی، حمیرا رحمٰن

میڈیا اور بیرونی روابط: حمیرا رحمٰن، حسن جعفری، فرحان انور

قانون: قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، رونالڈ ڈی سوزا، وکٹوریہ ڈی سوزا، خطیب احمد

پارکس اور تفریح : خطیب احمد

اسلحہ سے پاک معاشرہ : نوید حسین، قاضی فائز عیسیٰ

مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر/ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن: زیڈ یولالہ

پروڈکشن: انٹرپریس کمیونیکیشن (IPC)

مالی تعاون: فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN دی ورلڈ کنزرویشن یونین

ساحلی آبی علاقے بہت زیادہ پیداواری ماحولیاتی نظام ہیں۔ ہیکٹر کے ہیکٹر آبی علاقے اعداد اور تنوع دونوں میں بہت زیادہ جنگلی حیات پیدا کرتے ہیں اور زمین پر کسی اور جائے سکونت کے مقابلے میں یہاں اولین پودوں کی افزائش زیادہ ہوتی ہے۔ یہ گاد کو مقطر کرتے ہیں اور آلودہ عناصر کو بہا دیتے ہیں اور بیش بہا غذائی اجزاء کو اکٹھا کرلیتے ہیں یہ زمین اور سمندر کے درمیان حفاظتی علاقوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ یہ ہزار ہا اقسام کی مچھلیوں اور جھینگوں کے لئے انڈے دینے۔ان کی افزائش اور غذا کے لئے اہم جگہیں مہیا کرتے ہیں۔

ماہرین حیاتیات دلدلی جنگلات کو زمین پر بہت زیادہ پیداواری اور ازروئے علم حیات گوناگوں آبی علاقوں میں سے ایک سمجھتے ہیں، جو 2 ہزار سے زیادہ اقسام کی مچھلیوں، بے ریڑھ کی ہڈی کے جانور اور ہوائی جڑوں والے پودوں کے لئے جائے سکونت فراہم کرتے ہیں۔ ان کی جڑوں کے علاقے اسفنج، عیالی کیڑے، سخت چھلکے دار آبی حیات مثلاً جھینگے، کیکڑے وغیرہ کے لئے پناہ گاہ فراہم کرتے ہیں ساتھ ہی سمندری کائی و گھاس ان

یہ کھاڑیاں مچھلی اور جھینگے کی افزائش کے علاوہ مہاجر پرندوں اور کچھوئوں کے لئے نرسری کا کام کرتی ہیں

کے غیر متحرک علاقے متنوع اقسام کے کیکڑوں اور چھوٹے جانوروں کے لئے جائے سکونت تخلیق کرتے ہیں ان کے سائبان سینکڑوں اقسام کے پرندوں کو پناہ دیتے ہیں اور ان کی کھاڑیاں دودھ پلانے والے سمندری جانوروں کی پناہ گاہ ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق نمک کو برداشت کرنے والے تقریباً 80 اقسام کے دلدلی درخت اور پودے دنیا بھر میں تقریباً 24 ملین ہیکٹر رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔

پاکستان کا ساحل تقریباً 1050 کلومیٹر طویل ہے، جس میں سے 700 کلومیٹر بلوچستان اور بقیہ سندھ میں ہے۔ تقریباً 2 ملین مچھیرے اس ساحلی علاقے سے اپنا روزگار کماتے ہیں۔ سندھ کی ساحلی پٹی دریائے سندھ، سندھ کے ڈیلٹا کے حصے سے بھی بنتی ہے۔ یہ ایک عام پنکھے کی شکل کا ڈیلٹا ہے جو قراقرم اور ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں سے دریائے سندھ کے ساتھ بڑی مقدار میں بہہ کر آنے والی مٹی سے بنا ہے۔ موجودہ ڈیلٹا تقریباً چھ لاکھ ہیکٹر پر پھیلا ہوا ہے اور 17 بڑی کھاڑیوں، چھوٹی کھاڑیوں، مٹی کی ہموار سطح اور جھالردار دلدلی درختوں کے باعث مشہور ہے، سندھ ڈیلٹا کے دلدلی جنگلات دنیا بھر میں اس لئے منفرد ہیں کہ یہ خشک آب وہوا کے سب سے بڑے علاقے کے دلدلی جنگلات ہیں۔

ایسا ہی ایک علاقہ ماحولیاتی اور معاشی اہمیت کا حامل ہے۔ مثلاً دلدلی جنگلات مشرقی کھاڑیاں (بشمول چائنا کریک اور مائی کلاچی کا علاقہ) جو کراچی کے ساحلی علاقوں کا حصہ ہیں اور قیمتی آبی علاقوں کے ذرائع کو برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن اب اسے تباہی سے خطرہ ہے۔ ذیل میں واقعات کا سلسلہ ملاحظہ کیجئے۔ وہ علاقہ جو مداخلت سے پاک تھا اب وہاں تعمیرات ہوگئی ہیں اور جن فریقین نے اہم کردار ادا کیا وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

کراچی پورٹ ٹرسٹ (کے پی ٹی)

کراچی کی بندرگاہ کا انتظام سنبھالنے کی ذمہ دار ہے جو پاکستان کی سب سے بڑی اور اہم بندرگاہ ہے اور جہاں سے ملک کی 90 فیصد برآمدات اور درآمدات ہوتی ہیں۔ یہ بندرگاہ پاکستان کی بحری افواج کا بھی اڈہ ہے۔ یہ پاکستان سے باہر جانے والی مچھلی کی تمام برآمد کا بڑا مرکز بھی ہے۔ کے پی ٹی کے اپنے

چنا کریک

کراچی کی بندرگاہ کی تعمیر 1843ء میں ہوئی تھی۔ مشرقی اور مغربی کھاڑیوں کی ساحلی جھیلیں اس وقت سے اس کا لازمی اور اٹوٹ حصہ ہیں۔ چنا کریک کراچی کی بندرگاہ کا مرکزی دھارا یا راستہ ہے یہ ایک قدرتی کھاڑی ہے اور سندھ ڈیلٹا کی 17 کھاڑیوں میں سے ایک ہے۔ بندرگاہ کی قدرتی صفائی کی بنیاد پانی کی حرکی قوت کے نظام پر ہے اور مشرقی کھاڑیوں کی ساحلی جھیل اس میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے اور بندرگاہ کے یہ پہلو آج تک نہیں بدلے۔

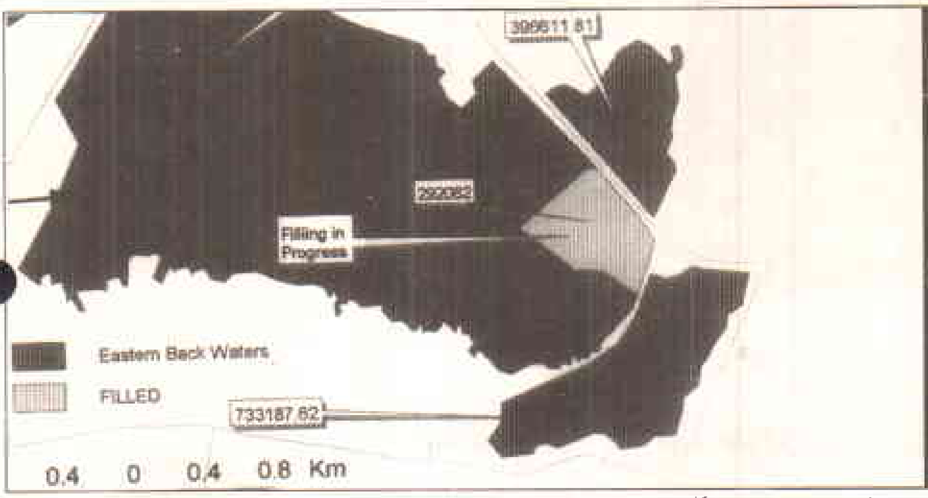

مشرقی کھاڑیوں میں منصوبہ بندی کے بغیر سمندر سے زمین کے حصول کو فوری روکا جائے

انتظام کا دلدلی جنگلات کے ایک بڑے رقبے پر کنٹرول ہے مثلاً مغربی کھاڑیاں جو وسیع سندھ ڈیلٹا کا ایک حصہ ہیں۔ کے پی ٹی کی بہت سی ذمہ داریاں/ مفادات بھی ہیں جو بندرگاہ کی حدود کے اندر بندرگاہ کی سرگرمیوں کے علاوہ ہیں۔ اس کی حدوں کے اندر ملی جلی نوعیت کی سرگرمیوں کے اکھٹا ہوکر نا قابل قبول آلودگی کی سطحوں کو تخلیق کیا ہے۔

کراچی کی بندرگاہ کی حدود کا اعلان 1857-1887ء اور پھر 1940ء اور آخر میں 5 اکتوبر 1991ء کو ایس آر او 307 (کے ای) 91 کے ذریعے کیا گیا۔ مشرقی کھاڑیوں کی ساحلی جھیل کا رقبہ تقریباً 3000 ایکڑ ہے اور حقیقتاً شہری علاقوں سے گھرا ہوا ہے۔ کیماڑی کی ڈسٹرکٹ اس کے جنوب مغربی کونے پر ہے کراچی کی بندرگاہ کا مشرقی گھاٹ کا علاقہ مغربی حد بندی کرتا ہے۔ کراچی کا شہری مرکز بذات خود شمالی حد بندی کرتا ہے اور کلفٹن کا ضلع جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ساحلی جھیل کی یہ کھاڑی دلدلی جنگلات پر قائم ہے اور یہ دلدلی جنگلات ایوسینیا مارینا کے باعث برقرار ہے۔ یہ آبی علاقہ بندرگاہ کا اہم حصہ ہے اور کھاڑیوں کے ایک اہم اور نمایاں گروپ کا ایک حصہ بناتا ہے جہاں متنوع اقسام کی آبادیاں موجود ہیں۔ یہ کھاڑیاں بہت اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ یہ تجارتی مچھلی اور جھینگے کی افزائش گاہوں کے ساتھ ساتھ دلدلی جنگلات، مہاجر پرندوں اور کچھوؤں کے لئے نرسری کے فرائض سرانجام دیتی ہیں۔

پاکستان میں سرکاری حکام اور سیاستدانوں نے گزشتہ برسوں میں ایک کلچر تخلیق کیا ہے جو زمین پاکستان کے شہریوں کی ہے اسے سیاسی رشوت کے طور پر چند افراد کے فائدے کے لئے فروخت کردیا جاتا ہے۔ قوانین کو توڑا جاتا ہے اور شہریوں کے بنیادی حقوق کی پامالی کی جاتی ہے۔ یہ اعمال معاشی نقصان، کھلی جگہوں اور تفریحی پلاٹوں کے خاتمے کے باعث بنے ہیں۔ انہوں نے شہر کے شہری اور ساحلی ماحولیات کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ کراچی کی بندرگاہ اور پورٹ قاسم بھی ان کی وجہ سے ریت سے اٹ گئے ہیں چنانچہ ملک کی معاشی زندگی کو دیکھتے ہوئے ساحلی ماہی گیری کی صنعت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا جس پر 2 ملین افراد کے روزگار کا انحصار ہے۔

کچھ تلخ حقائق

- کے پی ٹی آفیسرز کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی (کے پی ٹی او سی ایچ ایس) اسکیم نے ٹاؤن پلاننگ کے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کی ہے۔
- 99 برس کی لیز میں توسیع کے پی ٹی ایکٹ سیکشن 18(ii) کے برخلاف ہے۔
- جس غیر قانونی اور خفیہ طریقے پر ان کھاڑیوں سے زمین حاصل کی گئی ہے اس سے کراچی کے شہریوں کے ان بنیادی حقوق کی پامالی ہوئی ہے جن کی آئین کی دفعات 9-14-23 اور 25 کے تحت ضمانت دی گئی ہے۔ انہیں آئین کی دفعات 37 اور 38 کے ساتھ مطالعہ کریں۔ عدالتیں اپنی آئینی حدود کو استعمال کرتے ہوئے ان کی تعمیل کرا سکتی ہیں۔

15 مئی 1989ء کو اس وقت کے وزیراعلیٰ سندھ نے وزیراعظم کو لکھا کہ کے پی ٹی کو ہدایت کی جائے کہ وہ مائی کلاچی میں 175 ایکڑ زمین حکومت سندھ کو منتقل کردے تاکہ رہائش کی کمی کے مسئلہ پر قابو پانے کے لئے 500/400 مربع گز کے 300 پلاٹ تخلیق کئے جائیں اور شہر کو خوبصورت بنایا جائے۔ اس سے وسیع پیمانے پر رشوت ستانی اور بدعنوانی کے ایک عمل کا آغاز ہوا اور علاقے میں زمین کی دھاندلیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

تقریباً اسی وقت کے پی ٹی نے بھی اپنے بدعنوان اور ناجائز اعمال کے ذریعے اپنی کراچی پورٹ ٹرسٹ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے اراکین کو فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے غیر قانونی طور پر 130 ایکڑ کے پی ٹی او سی ایچ ایس کو الاٹ کردیا۔ انہوں نے یہ کام کسی ای آئی اے کے بغیر کیا۔ انہوں نے زمین کا کوئی سروے نہیں کرایا۔ اور نہ ہی معاشی اور ماحولیاتی اثرات کا جائزہ لیا۔ جو

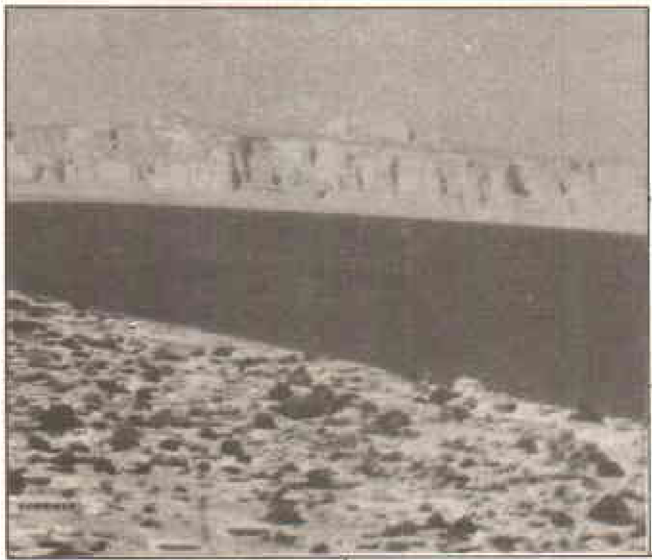

بندرگاہ اور اس کی پانی کی حد کی قوت کے نظام اور مینگرووز کے نازک ماحولیاتی نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

یہ 130 ایکڑ زمین کے پی ٹی او سی ایچ ایس کو 25 برس کے لئے کے پی ٹی ایکٹ 1886ء کے u/s18(ii) کے تحت لیز پر دی گئی۔ اس لیز کی مزید تجدید 99 برس کے لئے کردی گئی جس کے لئے قانون کی روح اور نیت کی خلاف ورزی کی گئی۔ آئین کی دفعہ 9 کے برخلاف معاشی اور ماحولیاتی مضمرات کا بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ اس کے علاوہ کراچی پورٹ میں گاد کے جمع ہونے کے نقصان دہ اثرات کو بھی نظر انداز کردیا گیا۔

1989ء سے 2001ء کے عرصہ 12 برس کے دوران اخبارات نے اس ابتر معاشی اور ماحولیاتی مسئلے پر بہت سے متعلقہ مضامین شائع کئے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ اس تمام عرصے کے دوران وفاقی اور سندھ کے ماحولیاتی تحفظ کے ادارے اس وقوع پذیر ماحولیاتی تباہی کی تفتیش میں ناکام رہے حالانکہ یہ ان کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ ہر اس سرگرمی کے خلاف اقدامات اٹھائیں اور اس پر نظر رکھیں جس کا نتیجہ ماحولیاتی بربادی کی صورت میں نکلے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ کے پی ٹی نے ای آئی اے مطالعے کے لئے ابتدائی قدم اٹھایا، جس پر ملک کا خاصا سرمایہ صرف ہوا تھا۔ 25-2-1996 کو اس مطالعے میں سفارش کی گئی کہ مشرقی کھاڑیوں میں منصوبہ بندی کے بغیر ہونے والی سمندر کی تہہ کی صفائی اور سمندر سے زمین کے حصول کو فوری طور پر روکا جائے۔

یہ محسوس کیا گیا ہے کہ مشرقی کھاڑیوں کی یہ ناجائز اور غیر قانونی الاٹمنٹ کراچی ہاربر پر تباہ کن منفی، معاشی اور ماحولیاتی اثرات کا باعث ہوگی۔ کے پی ٹی اور حکومت سندھ کے درمیان اس سازش کے نتیجے میں پاکستان نیوی کی سرگرمیوں میں بھی رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے۔

> **پاکستان کا ساحل**
> تقریباً 1050 کلومیٹر طویل ہے، جس میں سے 700 کلومیٹر بلوچستان اور بقیہ سندھ میں ہے، تقریباً 20 لاکھ مچھیرے اس ساحلی علاقے سے اپنا روزگار کماتے ہیں سندھ کی ساحلی پٹی دریائے سندھ کے ڈیلٹا کے حصے سے بنتی ہے

سرکاری اہلکار اس طریقے پر قواعد وضوابط کو نرم کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور سندھ کی حکومت نے عظیم عوامی مفاد کے خلاف چند افراد کو غیر ضروری فائدہ پہنچانے کے لئے غیر قانونی اور ناجائز قدم اٹھایا ہے۔

مزید یہ کہ انہوں نے کراچی کی بندرگاہ کے پانی کے حد کی قوت کے نظام اور مشرقی کھاڑیوں کے ذیلی نظام کو مکمل تباہ کرنے، سمندر کو پاٹ کر زمین حاصل کرنے اور سمندر کی تہہ کی صفائی کرنے کے لئے وقت کے حصول کی خاطر غیر سنجیدہ وفضول دعوے اور درخواستیں داخل کر کے قانونی نظام کا غلط استعمال جاری رکھا ہے۔

اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ مشرقی اور مغربی کھاڑیوں کو کراچی کی بندرگاہ کا لازمی حصہ قرار دیا جائے اور انہیں چند نجی افراد کے فائدے کے لئے فروخت یا زمین کے حصول کے لئے استعمال نہ کیا جائے بلکہ انہیں صرف شہریوں کے فائدے اور بندرگاہ کی متعلقہ سرگرمیوں کے لئے استعمال کیا جائے۔

کھاڑیوں کو محفوظ علاقہ قرار دیا جانا چاہئے اور حال ہی میں ہونے والی تمام غیر قانونی تجاوزات کا خاتمہ ہونا چاہئے اور کھاڑیوں میں مینگرووز کی شجرکاری کر کے انہیں ان کی اصل شکل وصورت و حالت میں لایا جائے اور تباہ شدہ سمندر کے اس حصے کو جسے ریت کے ٹیلوں نے الگ کردیا ہے (ساحلی جھیل) دوبارہ متحرک اور زندہ کرنے کے لئے دیگر متعلقہ اقدامات اٹھانے چاہئیں۔ ❀❀

ریحانہ افتخار

نئی نسل کے لئے تولیدی صحت پالیسی ناگزیر ہے

پاؤنا کے زیر اہتمام نوجوانوں کی تولیدی صحت کے موضوع پر چار روزہ قومی تربیتی ورکشاپ کی روداد

تولیدی صحت پر ہونے والے ایک چار روزہ ورکشاپ کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے نوجوان آبادی کو تولیدی صحت کے بارے میں درست اور مناسب معلومات کی فراہمی پر زور دیا تا کہ وہ غیر مستند حکیموں اور عطائیوں کے ہتھے نہ چڑھیں اور بربادی و دکھوں سے محفوظ رہ سکیں۔

''نوجوانوں کی تولیدی صحت میں فعال رہنماؤں کی تیاری'' کے موضوع پر اس چار روزہ قومی تربیتی ورکشاپ کا اہتمام پاکستان والنٹیری ہیلتھ اینڈ نیوٹریشن ایسوسی ایشن (پاؤنا) نے ڈی ای آئی ڈی۔ یو کے اور پیکارڈ فاؤنڈیشن امریکہ کے تعاون سے کیا تھا۔

صوبہ سندھ کے وزیر خزانہ ڈاکٹر عبدالحفیظ شیخ مہمان خصوصی تھے انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ ماضی کی حکومتوں کی ترجیحات کی سمت درست نہیں تھی۔ صحت اور تعلیم جیسی بنیادی سہولتیں ان کی ترجیحات کی فہرست میں سب سے نچلے درجے پر تھیں۔

ڈاکٹر حفیظ نے اس طرف بھی نشاندہی کی کہ سرکاری حکام نہ تو اہل ہیں اور نہ ذمہ دار، اس لئے میں شہری معاشرے کی تنظیموں اور غیر سرکاری تنظیموں پر زور دیتا ہوں کہ وہ آگے آئیں اور حکومت کے ساتھ مل کر کام کریں تا کہ معاشرے کے سب سے پسماندہ طبقے کی زندگی کو بہتر بنایا جاسکے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت کے پاس مالی وسائل اور ذرائع بہت محدود ہوتے ہیں اور یہ صورتحال دنیا کے تقریباً ہر ملک میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے جیسے غریب اور ترقی پذیر ملک میں صورتحال اور زیادہ خراب ہوئی ہے۔ عام لوگوں کی فلاح و بہبود اور پسماندہ طبقے کے حالات زندگی اور معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں اور ڈونروں کے پاس پیسہ بھی بہت ہے۔ وہ غریبوں کی زندگی کو بہتر بنانے والی مختلف ترقیاتی اسکیموں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ واحد ضرورت اس بات کی ہے کہ این جی اوز منظم ہوں اور ان ڈونروں پر ثابت کریں کہ وہ اہل اور ایماندار ہیں اور غریب کی زندگی کو بہتر بنانے کی پابند اور ذمہ دار ہیں۔ اگر این جی اوز یہ کارنامہ سرانجام دینے میں کامیاب ہوجائیں تو فنڈز کی کمی نہیں ہے۔

ڈاکٹر حفیظ نے کہا کہ حکومت صحت اور تعلیم پر خصوصی توجہ دے رہی ہے اور شعبہ تعلیم کا بجٹ دگنا کردیا گیا ہے۔ ملازمتوں پر پابندی ہونے کے باوجود اساتذہ کی ایک بڑی تعداد کو میرٹ پر ملازمتیں فراہم کی گئی ہیں۔ صحت کے بجٹ میں فی الحال صرف 20 فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔

وزیر خزانہ نے تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو ایک بڑا مسئلہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ نوجوانوں کو تولیدی صحت کے بارے میں درست معلومات فراہم کرکے آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح کو موثر طور پر روکا جاسکتا ہے۔ آبادی میں تیز رفتار اضافے کی شرح نے معاشی ترقی کو کم کیا ہے۔ اس وقت پاکستان میں 45 فیصد لوگ ایک دن میں ایک ڈالر یعنی 60 روپے سے بھی کم کماتے ہیں۔ ڈاکٹر حفیظ شیخ نے مشورہ دیا کہ نوجوانوں کو تعلیم اور مہارتیں فراہم کی جانی چاہئیں تا کہ وہ ملک کی معاشی ترقی میں موثر کردار ادا کرنے کے قابل ہوسکیں۔

پاؤنا کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر ڈاکٹر یاسمین صبیح قاضی نے اس سے پہلے اپنی خیر مقدمی تقریر میں اپنی تنظیم کا مختصر سا خاکہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ پاؤنا نے کمیونٹی کی ضرورتوں کے مطابق خود کو ڈھالا ہے کیونکہ ہم نے ابتدا میں نیوٹریشن (غذائی) پروجیکٹ کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا۔ پھر اس میں خاندانی منصوبہ بندی کو شامل کیا گیا اور بعد میں اس نے تولیدی صحت پر کام کرنا شروع کیا کیونکہ اسے 1994ء میں قاہرہ کانفرنس کے بعد

(باقی صفحہ 20 پر ملاحظہ فرمائیں)

ورکشاپ

ناموافق حالات کے باعث نئی نسل کی ایک بڑی تعداد سماج دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہو جانے پر مجبور ہو جاتی ہے، مثلاً منشیات کی خرید و فروخت اور جنسی کاروبار وغیرہ

کراچی میں تعمیرات کے قوانین کے بارے میں ایک مذاکرہ

''شہری'' شہر میں غیر قانونی اور ناجائز عمارت کو باقاعدہ بنانے کی مجوزہ پالیسی کی مخالفت کرتا ہے

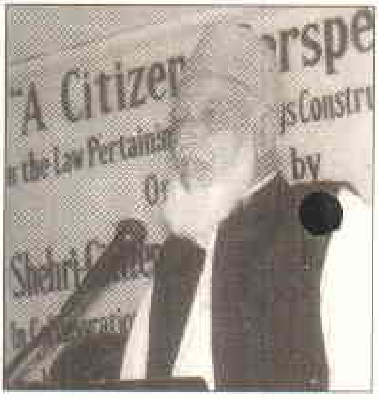

ناظم اعلیٰ کراچی جناب نعمت اللہ خان

شہری سرگرمیاں

مرکزی شہر میں ایم اے جناح روڈ، مینسفیلڈ اسٹریٹ، انوریٹی روڈ، پریڈی اسٹریٹ کو ٹریفک فری زون قرار دیا جائے اور اسے سیاحت کاروبار اور تفریح سے متعلق سرگرمیوں کے لئے مخصوص کیا جائے

قاضی فائز عیسیٰ۔ رکن مجلس عاملہ شہری نے اپنی تعارفی تقریر میں شہر کے ناظم اعلیٰ جناب نعمت اللہ خان کا سیمینار میں خیر مقدم کیا۔ جناب عیسیٰ نے مقامی سطح پر منتخب حکومت کے اجراء کی تعریف کی لیکن انہوں نے کہا کہ نئی مقامی حکومت صرف ایک ''منتخب حکومت'' کی حیثیت سے کام نہ کرے بلکہ اسے ایک ''شراکتی حکومت'' کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔ جناب عیسیٰ نے سیمینار کے شرکاء کو یاد دلایا کہ ماضی میں بھی ہمیں ایسے تجربے ہو چکے ہیں جہاں منتخب حکام نے عوام سے ووٹ حاصل کرنے کے بعد حکومت کے معاملات میں ان سے مشورہ کرنے کی زحمت تک گوارہ نہیں کی۔ جس کے نتیجے میں وہ عام آدمی سے الگ تھلگ ہو گئے اور حکومتیں قائم نہ رہ سکیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اس دفعہ ایسی صورتحال پیدا نہیں ہوگی۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ منتخب حکام کو نوکرشاہی پر اپنا انحصار کم کرنا چاہئے۔ انہیں کراچی کے لوگوں کی اغراض اور مشوروں پر زیادہ انحصار کرنا چاہئے۔

کراچی کی زمین کے استعمال اور تقسیم قوانین کے مسئلے سے متعلق جناب عیسیٰ نے کہا کہ یہ ''منظور شدہ'' پلان کے نفاذ کا سادہ سا مسئلہ ہے۔ جس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہری نے شہر میں غیر قانونی اور ناجائز عمارات کو باقاعدہ بنانے کی مجوزہ پالیسی کی مخالفت کی ہے۔

جناب عیسیٰ نے شہری ضلعی حکومت کی شجرکاری کی مہم کا آغاز کرنے پر تعریف کی اور اس سلسلے میں شہری کی مدد کی پیشکش کی۔

جناب نورالدین احمد نمائندہ پاکستان انجینئرنگ کونسل نے اپنی تقریر میں کہا کہ حقیقت میں جو اقدام اٹھائے گئے وہ شہری قوانین سے بالکل الگ تھے۔ غیر معمولی رفتار سے آبادی بڑھ رہی ہے۔ جسے روکا نہیں جا سکا ہے۔ نتیجتاً شہری ڈھانچہ مسمار ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت شہر میں صرف 30 فیصد ''قانونی'' تعمیرات ہیں۔

جناب نورالدین نے نشاندہی کی کہ شہر کا کوئی عملی ''ماسٹر پلان'' نہیں ہے۔ 1974ء اور 1992ء کے دونوں ماسٹر

نورالدین احمد
نمائندہ پاکستان انجینئرنگ کونسل

پلانز کا اعلان نہیں کیا گیا۔ انہوں نے شہر کے ناظم اعلیٰ سے درخواست کی کہ تازہ ترین ماسٹر پلان 2000 کا اعلان کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ شہر میں نوتشکیل شدہ کل 18 ٹاؤن کونسلوں کے لئے ''شہری تجدید منصوبے (اربن رینول پلانز) واضح کئے جائیں۔ جناب نورالدین نے اس یقین کا اظہار کیا کہ اس کام کا بیڑا اٹھانے کے لئے مقامی ماہرین دستیاب ہیں اس لئے غیر ملکی مشاورتی ماہرین

قاضی فائز عیسیٰ
رکن مجلس عاملہ شہری سی بی ای

کی مہنگی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ جناب نورالدین نے تجویز پیش کی کہ مرکزی شہر کا علاقہ بشمول ایم اے جناح روڈ، میسفیلڈ اسٹریٹ، انورایٹی روڈ، پریڈی اسٹریٹ کو ''ٹریفک فری زون'' قرار دیا جائے اور اسے سیاحت، کاروبار اور تفریح سے متعلق

سرگرمیوں کے لئے مخصوص کیا جائے۔

جناب سید کلیم الدین چیئرمین پی سی اے ٹی پی نے کہا کہ اگر مجوزہ آرڈی نینس (سندھ بلڈنگ کنٹرول ترمیمی آرڈی نینس 2001) کو اس کی کلیت کے ساتھ نافذ کیا گیا تو یہ شہر میں بے قاعدہ سرگرمیوں کے سیلابی دروازے کھول دے گا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ قوانین کی نظر ثانی میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ دنیا

سید کلیم الدین
چیئرمین، پی سی اے ٹی پی

بھر میں شہری منصوبہ بندی کے ادارے اپنے قواعد وضوابط پر ہر دس برس کے وقفے سے نظر ثانی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شہر کی بے قاعدہ تعمیرات کے لئے بھی وجوہات موجود ہیں گزشتہ برسوں میں سماجی و معاشی حالات ابتر ہوئے ہیں۔ خاندان کا سائز بڑھا ہے اور لوگ نئے مکانات خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔ چنانچہ شہر کی ''سماجی'' اور ''طبعی'' دونوں اقسام کی تباہی وقوع پذیر ہورہی ہے۔

جناب کلیم الدین نے غیر قانونی اور ناجائز عمارات کو باقاعدہ بنانے کے فیصلے کی حمایت کی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ سب سے زیادہ اہم مسئلہ تو یہ ہے کہ مناسب جرمانے عائد کئے جائیں اور اس عمل میں جو رقوم جمع ہوں ان کا مناسب اصراف ہو۔ رقم براہ راست متاثرہ افراد اور کمیونٹیوں کو ملنی چاہیئے۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ مجوزہ قانون میں تجویز کردہ جرمانے بہت معمولی ہیں۔ اس لئے یہ ایک سدِ راہ کی حیثیت سے عمل کرنے سے ناکام رہیں گی۔

جناب نعمت اللہ خان ناظم اعلیٰ شہر نے اپنی تقریر میں کہا یہ بہت اہم ہے کہ اس سیاق و سباق کو سمجھا جائے جس کے اندر قانون سے انحراف اور تجاوز کیا جا رہا ہے۔ معاشرے میں انصاف کا فقدان ہے۔ منصوبے مربوط اور ہم آہنگ نہیں ہیں۔ انہوں نے کنٹونمنٹ کے انتظامی علاقوں کے مسئلے کو بیان کیا جہاں مختلف تعمیراتی اصول نافذ ہیں جو بقیہ شہر میں ہونے والی سرگرمیوں سے کوئی مطابقت تعلق نہیں رکھتے وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سیاق و سباق میں کسی بھی قسم کے استدلالی و معقول ماسٹر پلان کا نفاذ ناممکن ہے۔

خان صاحب کا خیال تھا کہ از سرِ نو آغاز میں کوئی نقصان نہیں ہے بشرطیکہ مستقبل میں ماضی میں ہونے والی غلطیوں کا اعادہ نہ ہو۔ انہوں نے تمام شہری گروپوں سے بھی درخواست کی وہ شہر کے مسائل کی بروقت نشاندہی کریں۔ انہوں نے اس سلسلے میں شہری کے کام کی تعریف کی۔

تقاریر کے بعد باہمی بحث و مباحثہ ہوا۔ آخر میں شہری۔ سی بی ای کے چیئرپرسن جناب خطیب احمد نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سیمینار کے اختتام کا اعلان کیا۔ ۞۞

سیمینار کے شرکاء

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

''شہری'' میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ ''شہری'' میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری برائے بہتر ماحول۔ 206۔جی۔ بلاک 2 پی ای سی ایچ ایس، کراچی 75400۔ پاکستان

ٹیلی فون/ فیکس 92-21-4530646

E-mail address:
Shehri@onkhura.com (Web site)
URL:http//www.onkhura.com/shehri

نام ____________ ٹیلی فون (گھر) ____________

ایڈریس ____________

پیشہ ____________ ٹیلی فون (دفتر) ____________

شہری کی رکنیت

2002ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے، صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

شہریوں اور مقامی حکومت کے نمائندوں کے درمیان تبادلہ خیال -I

شہری سی بی ای نے مقامی انتظامیہ کے منتخب ارکان اور کراچی کے شہری گروپوں کے درمیان بہتر رابطہ عمل پیدا کرنے کے لئے سیمینار کی سیریز کا انعقاد کیا

خطیب احمد
چیئرپرسن شہری سی بی ای

شہری سیمینار

ٹھیکیدار کو کوڑے کی ری سائیکلنگ کے انتخاب کا اختیار دینے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی اور نہ ہی باضابطہ بنیادی ڈھانچہ تجویز کیا گیا

جناب خطیب احمد، چیئرمین شہری ای نے اپنی تعارفی تقریر میں کہا کہ پاکستان کے آئین نے پاکستان کے عوام کو ریاست کے معاملات سنبھالنے اور اپنے اثر ورسوخ سے کام لینے کا اختیار دیا ہے۔ لیکن عوام بمشکل ان اختیارات کا استعمال کرتے ہیں اور منتخب حکام اور

فرحان انور
ایگزیکٹو ممبر، شہری سی بی ای

انتظامیہ کے کام کے بارے میں سوال نہیں کرتے ہیں چنانچہ نتیجے میں ایک ایسی صورتحال پیدا ہوئی جہاں منتخب حکام اور نوکرشاہی اپنے اختیارات کا نہ صرف بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ ان کا ناجائز اور غلط استعمال کرتے ہیں جبکہ ایک عام آدمی خاموش تماشائی بنا رہتا ہے۔

جناب احمد نے شہر میں منتخب مقامی حکومتوں کے تعارف کی تقریب اور شہری کے سیمینار میں موجود منتخب نمائندوں کو ان کے کام میں شہری کے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

فرحان انور ایگزیکٹو رکن۔ شہری سی بی ای نے شہری میں ٹھوس فضلے کے انتظامی نظام کی نجکاری کے مسئلے پر اظہار خیال کیا اور کہا کہ 1998ء میں اس وقت کی ڈی ایم سی سینٹرل نے فیڈرل بی ایریا اور نارتھ ناظم آباد کے علاقوں میں ٹھوس فضلے کے انتظامی نظام کے کچھ حصوں کی نجکاری کی تھی، لیکن یہ تجربہ ناکام رہا۔ اب جبکہ نو تشکیل شدہ ضلعی حکومت ایک ایسی ہی مشق دوبارہ شروع کر رہی ہے گزشتہ غلطی سے سیکھے گئے سبق کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

جناب انور نے کہا کہ گزشتہ منصوبے میں تجربہ بڑے وسیع پیمانے پر کیا گیا تھا اس کی بجائے اسے پائلٹ پروجیکٹ کے پیمانے پر ہونا چاہئے چنانچہ مسائل پیدا ہوئے۔ پروجیکٹ ایریا پر درست اور مناسب طریقے پر

سارا صدیقی
ممبر، کے اے ڈبلیو ڈبلیو ایس

دستاویز اور تازہ ترین ڈیٹا تیار کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ ڈی ایم سی سینٹرل کا کہنا تھا کہ پروجیکٹ ایریا میں ایک دن میں 1327 ٹن کوڑا کرکٹ جمع ہوتا ہے جبکہ نجی ٹھیکیدار کا دعویٰ تھا کہ وہ ایف بی ایریا کے صرف ایک بلاک سے ایک دن میں 1800 ٹن کوڑا کرکٹ اٹھاتا تھا۔

جناب انور نے کہا کہ عام لوگوں کو ایک باقاعدہ طریقے پر اس عمل میں شریک نہیں کیا گیا انہیں کوڑا پیدا کرنے والے ذرائع پر کوڑے کی سطحوں کو کم کرنے کے بارے میں علم فراہم کیا جاسکتا تھا۔ نجی ٹھیکیدار کو کوڑے کی ری سائیکلنگ کے انتخاب کا اختیار دینے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جس سے پروجیکٹ میں بہت زیادہ دلچسپی اور کارگزاری میں اضافہ ہوسکتا تھا۔ کوئی باقاعدہ و باضابطہ بنیادی ڈھانچہ یا فریم ورک تجویز نہیں کیا گیا اور نہ ہی کارکردگی کے معیارات تیار کئے گئے۔ جناب انور نے زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر ضلعی حکومت اپنی کوششوں میں کامیابی کی خواہشمند ہے تو ایسی غلطیوں سے اب گریز ناگزیر ہے۔

محترمہ سارا صدیقی کا تعلق کے اے ڈبلیو ڈبلیو ایس سے ہے انہوں نے اپنے مطلے

نعمان احمد
چیئرمین ڈپارٹمنٹ آف آرکیٹیکچر
اینڈ ٹاؤن پلاننگ این ای ڈی یونیورسٹی

کے حالات کو بہتر بنانے کے دوران مقامی حکومت کے ساتھ اپنے کام کے تجربے کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا کہ نئے نظام کے قیام کے باعث آج کل عملے کی دوبارہ تعیناتی بہت زیادہ ہو رہی ہے جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ نئی ٹاؤن اور یونین کونسلیں جن خدمات اور املاک میں حصہ داری کریں گی ان کی حدود کے متعلق کچھ الجھن بھی پائی جاتی ہے۔

محترمہ صدیقی نے اس حقیقت کے بارے میں بھی اظہار افسوس کیا کہ نوتشکیل شدہ ٹاؤن/یونین کونسل کے دفاتر میں منتخب حکام عام طور پر غیر حاضر ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں شہریوں کو اپنے مسائل انتظامیہ کے حکام سے بیان کرنے پڑتے ہیں اور سرخ فیتہ اپنی جگہ موجود ہے۔ محترمہ صدیقی نے نئی مقامی حکومتوں کو مالیاتی خودمختاری دینے کی اہمیت پر زور دیا تاکہ وہ شہریوں کے مسائل موثر طور پر حل کر سکیں۔

پروفیسر نعمان احمد چیئرمین شعبہ آرکیٹیکچر و ٹاؤن پلاننگ، این ای ڈی یونیورسٹی نے کراچی میں پانی اور سیوریج کے شعبے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت کراچی میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پانی کی سپلائی میں 150 ایم جی ڈی کی کمی ہے اصل میں یہ کمی زیادہ ہو سکتی ہے۔

انہوں نے کہا کہ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی اس وقت 46 بلین روپے کے قرضے کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے محصولات کی وصولی ناکافی ہے اور عملے کی بہتات ہے۔ (1996ء کے اعداد و شمار کے مطابق یہ 4500 ہے) اس کی وجہ زیادہ تر سیاسی تقرریاں ہیں۔ شہر کی بیشتر آبادی پینے کے پانی کو 7 روپے فی گیلن سے 80 روپے فی گیلن کے حساب سے خرید رہی ہے۔

جناب نعمان نے شرکاء کو بتایا کہ شہر میں پیدا ہونے والے سیوریج کے صرف 20 فیصد کو ٹھکانے لگانے سے پہلے صاف کیا جاتا ہے زیادہ تر سیوریج تعمیری سیوریج ورکس کی بجائے شہر کے قدرتی نالوں سے جاتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کی نجکاری کی کوششیں ناکام ہو گئی ہیں کیونکہ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کے حکام، لوگ، بلڈرز اور ڈیولپرز، سیاسی/مذہبی پارٹیاں سبھی نجکاری کے لئے حکمت عملی کے خلاف تھے۔

پروفیسر نعمان نے کراس کنکشن کے مسئلے کو بھی اجاگر کیا کیونکہ پانی کی فراہمی اور

محمد نعمان
ڈپارٹمنٹ آف الیکٹرانکس
این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی

سیوریج لائن ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں جس سے پینے کا پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کراچی غربی/لیاری میں شدید ہے۔ جو علاقے کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کی نگہبانی میں نہیں ہیں لیکن وہاں بل بھیجا جاتا ہے۔ اگر زمین کسی اور نے لیز کی ہے تب بھی اسے ان خدمات کے تمام بلوں کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے جو اسے مہیا نہیں کی گئیں۔ پروفیسر نعمان نے ایک عارضی بنیادی ڈھانچے کی تیاری، نئے منصوبوں کی شروعات (جو پہلے پائلٹ کی سطح پر ہوں) اور شہری سہولتوں/افادی خدمات کی حیثیت کی مناسب دستاویزات کی فراہمی پر اصرار کیا۔

این ای ڈی یونیورسٹی کے شعبہ الیکٹرانکس کے پروفیسر محمد نعمان نے مقامی حکومت کے نظم و نسق اور انتظامیہ سے متعلق مسائل کے بارے میں بات کی۔ انہوں نے کہا شہر میں کام کرنے والے مختلف اداروں کے درمیان مطابقت میں بہت زیادہ مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں کچھ مقامی کچھ صوبائی اور کچھ وفاقی ادارے بشمول کنٹونمنٹس ہیں۔ حاکمیت کے مختلف درجات کے مختلف مفادات ہیں جن کا آپس میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔

پہلے مقامی حکومت آکٹرائے سے تقریباً 500 کروڑ روپے سالانہ کما رہی تھی۔ آمدنی پیدا کرنے کا یہ اختیار اب موجود نہیں ہے۔ متبادل مالیاتی میکنزم بھی نظر نہیں آتا۔ ماضی میں کے ایم سی کی انتظامیہ کو تقریباً 40 لاکھ روپے خرچ کرنے کا ذاتی امتیازی حق حاصل تھا۔ اب یہ سہولت بھی دستیاب نہیں ہے۔ وفاقی حکومت پر حد درجہ انحصار ہے جو کام میں حارج ہے۔ کارکن کا حوصلہ پست ہے۔ وہ اب اور کام کرنا نہیں چاہتے، مافیا کے قسم کے بہت سے کنٹرول موجود ہیں۔

(بائیں سے) ڈاکٹر پرویز محمود، خطیب احمد اور فاروق نعمت اللہ

شہریوں کے نمائندوں کی تقاریر کے بعد عمومی بحث و مباحثہ ہوا۔

گلبرگ ٹاؤن کونسل کے ناظم جناب فاروق نعمت اللہ۔ لیاقت آباد ٹاؤن کونسل کے ناظم جناب ڈاکٹر پرویز محمود نے بحث میں حصہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ شہر کے لوگوں کی خدمت کے لئے کمربستہ ہیں اور اس وقت وہ مقامی حکومت کے نظام میں بدعنوانی کی سطحوں میں کمی لانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ انہوں نے شہری جیسی تنظیموں کے کردار کی تعریف کی اور شہر کے شہری گروپوں کے ساتھ کام کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

جناب خطیب احمد نے سیمینار کا اختتام شرکاء کا شکریہ ادا کر کے کیا۔ ❀❀❀

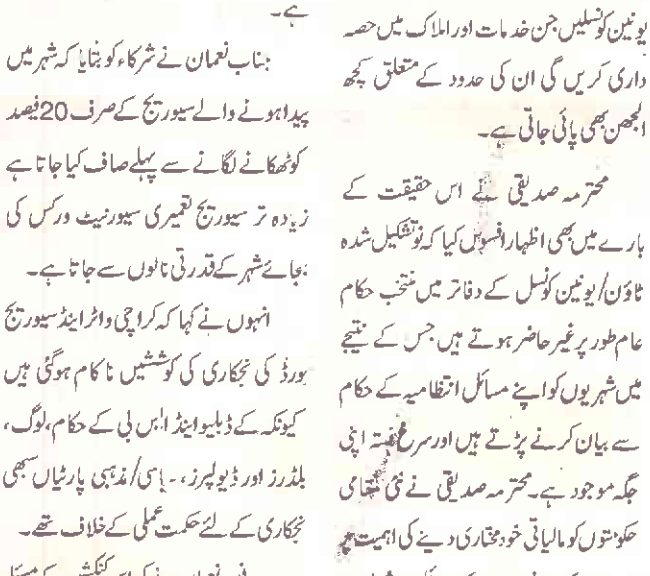

سیمینار کے شرکاء

شہریوں اور مقامی حکومت کے نمائندوں کے درمیان تبادلہ خیال-II

نوید حسین

رکن مجلس عاملہ، شہری سی بی ای

شہری سیمینار

بجلی کی چوری کی روک تھام کے لئے ایک یوٹیلٹی بورڈ قائم کیا جائے تاکہ کم آمدنی والے علاقوں میں بجلی کی چوری کے امکانات کو کم کیا جاسکے، ایک تجویز

نوید حسین۔ ایگزیکٹو ممبر۔ شہری۔ سی بی ای نے اپنی تعارفی تقریر میں کہا کہ پاکستان کو شدید معاشی مشکلات کا سامنا تھا اور وہ اربوں ڈالر کے مقامی و غیر ملکی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مقابلے میں بھارت اور چین نے اپنی صنعتوں اور مالیاتی نظاموں کو تحفظ دیا اور ترقی دی جس کے نتیجے میں ۔۔ آج ہم سے زیادہ مضبوط و مستحکم معیشتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ملائشیا جس کی معیشت 25 برس قبل بالکل ہماری جیسی تھی آج پانچ مختلف قسم کی موٹر گاڑیاں بنا رہا ہے۔ (پروٹون کارز)

جناب نوید حسین نے کہا کہ کراچی میں 18 ٹاؤن کونسلوں میں سے ہر ایک کو 20 لاکھ روپے دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ ''اس قسم کے بجٹ میں کوئی بامعنی ترقیاتی کام کس طرح ممکن ہے؟'' انہوں نے مطالبہ کیا کہ لوگ جو انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں اس کا نصف حصہ سماجی اور ترقیاتی شعبے کے کام میں اضافہ کی صورت میں لوگوں تک واپس آنا چاہئے۔

جناب سلیمان چانڈیو چیف انجینئر سیوریج کے ڈبلیو اینڈ ایس بی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''اربن پبلک یوٹیلٹی سسٹم میں نظام کی خرابی کی سب سے بڑی وجہ زمین کے استعمال کے قوانین ہیں۔ انہوں نے غیر قانونی اور ناجائز عمارات پر مکمل پابندی کا مطالبہ کیا اور اس سلسلے میں شہری کی کوششوں کی تعریف کی۔ انہوں نے کہا کہ مکمل اسکیمیں دیکھ بھال کے لئے کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کے سپرد کردی گئی ہیں تاکہ وہ خدمات فراہم کریں جبکہ ان کے منصوبوں اور بجٹ میں ایسے کام کے لئے کوئی گنجائش یا پیش بینی نہیں ہے۔ اسی طرح کچی آبادیوں میں کوئی نظام قائم نہیں کیا گیا ہے، لیکن الزام کے ڈبلیو اینڈ ایس بی پر عائد کیا جاتا ہے۔ جناب چانڈیو نے سیمینار کے شرکاء کو آگاہ کیا کہ کے ڈبلیو اینڈ ایس بی اب شہری حکومت کا حصہ ہے اور اس کے فرائض ٹاؤن میں مزید نشوونما پائیں گے۔

خالد اقبال

انچارج ڈسٹری بیوشن، کے ای ایس سی

جمشید ٹاؤن کونسل کے ناظم جناب احمد قاسم پاریکھ نے اپنی تقریر میں کہا کہ پاکستان میں گزشتہ برسوں میں وسیع پیمانے پر بدعنوانی وقوع پذیر ہوئی ہے، جس نے ملکی صورتحال کو نہایت ہی ابتر بنا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1970ء تا 1987ء کے عرصہ میں بینکوں نے روزانہ 2 لاکھ روپے معاف کئے۔ 1996ء تا 1999ء کے عرصے میں یہ اعداد و شمار 2 کروڑ 40 لاکھ تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے کہا 1948ء میں پاکستان کا جی این پی جاپان کے برابر یعنی 112 ڈالر تھا۔ آج جاپان کا جی این پی بڑھ کر

احمد قاسم پاریکھ

ناظم جمشید ٹاؤن کراچی

سلیمان چانڈیو چیف انجینئر کے ڈبلیو اینڈ ایس بی

سیمینار کے شرکاء

34000 ڈالر تک پہنچ گیا ہے، جبکہ ہمارا نہایت مایوس کن یعنی صرف 360 ڈالر ہے۔

جناب پاریکھ نے شہر کی بہتری کے لئے کام کرنے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے شہریوں سے مطالبہ کیا کہ وہ شہری معاملات میں زیادہ سے زیادہ شریک ہوں۔

کے ای ایس سی کے ڈسٹری بیوشن اینڈ ورکس کے انچارج جناب خالد اقبال نے کہا کہ اس وقت کے ای ایس سی۔ کے اے این یو پی پی اور گل احمد اور ٹپال کے نجی پاور پلانٹوں سے شہر میں 1800 میگاواٹ بجلی پیدا ہو رہی ہے۔ ہر سال بجلی کی طلب میں تقریباً 6 سے 7 فیصد تک اضافہ ہوتا ہے۔

اربن پبلک یوٹیلیٹی سسٹم میں نظام کی خرابی کی سب سے بڑی وجہ زمین کے استعمال کے قوانین ہیں، غیرقانونی اور ناجائز عمارات پر مکمل پابندی عائد کی جائے، لوگ جو انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں اس کا نصف حصہ سماجی اور ترقیاتی شعبے کے کام میں اضافے کی صورت میں لوگوں تک واپس آنا چاہئے۔ ایک مطالبہ

جناب احمد نے کہا کہ بجلی کی چوری کم آمدنی والے علاقوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ کے ڈی اے اسکیم نمبرون اور پی ای سی ایچ ایس جیسے علاقوں میں بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت شہر میں خدمات و سہولت فراہم کرنے والے مختلف اداروں کے درمیان کسی قسم کی بامعنی مشاورت موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے معاملات حد درجہ گمبھیر اور الجھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک "یوٹیلیٹی بورڈ" کے قیام کی تجویز پیش کی اور کہا کہ کے ای ایس سی نے کم آمدنی والے علاقوں میں غربت میں کمی کے پروگراموں کو اپنایا ہے تا کہ بجلی کی چوری کیا مکانات کو کم کیا جاسکے۔ انہوں نے بتایا کہ تقریباً 4 لاکھ کنڈا کنکشن میں سے ڈیڑھ لاکھ کو باقاعدہ بنادیا گیا ہے۔

تقاریر کے بعد سوال و جواب کا ایک دلچسپ دور چلا جس کے بعد جناب نوید حسین نے مقررین اور شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سیمینار کو اختتام تک پہنچایا۔ ❀❀❀

شہری کے لئے رضا کاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھ ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹر)
- قانونی (غیر قانونی عمارتیں)
- تحفظ ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مالی حصول۔

ہر وہ شخص جو شہری کے جاری اور مستقبل کے منصوبوں کے لئے مدد (رقم / فیس) کرنا چاہے اس سے گزارش ہے کہ وہ شہری کے دفتر تشریف لائیں یا فون، فیکس یا ای میل کے ذریعے شہری کے سیکریٹریٹ سے رابطہ کریں۔

انڈس ڈیلٹا کو تباہی سے بچایا جائے

سندھ میں کوٹری کے مقام سے نیچے سمندر کی طرف ضلع ٹھٹھہ اور بدین کے ساحلی علاقوں کی ایک لاکھ ایکڑ سے زائد زرعی زمین کو برباد کر چکا ہے جبکہ تقریباً 15 لاکھ ایکڑ مزید زمین بربادی سے دوچار ہے۔ گزشتہ 5 برسوں کے دوران سمندری پانی آجانے اور میٹھے پانی کی قلت کی وجہ سے ہزاروں مویشی ہلاک اور ہزاروں افراد بے روزگاری کا شکار ہو چکے ہیں۔ زیادہ تر آبادی منتقل ہو گئی ہے اور اب صرف چند ہزار افراد ہی جھونپڑیوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سمندر کے اندر 150 سے زائد جزیرے (ٹاپو) میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ماضی میں دریائے سندھ 12 جگہ سے سمندر میں گرتا تھا۔ 350 کلومیٹر پر پھیلا سندھ کے ساحل کا ڈیلٹائی علاقہ سمندر کو پیچھے دھکیلتا تھا۔ 1994 سے ڈاؤن اسٹریم میں پانی نہ چھوڑنے کی وجہ سے ٹھٹھہ اور بدین کے ڈیلٹائی علاقے میں 1,42,000 ایکڑ زمین پر مشتمل جنگلات ختم ہو چکے ہیں۔ بہ یک جال (بھو) کو کے استعمال نے ایک اور مسئلہ کھڑا کر دیا ہے، جس سے مچھلیوں کی افزائش ختم ہو چکی ہے۔ ❀❀❀

سندھی عورت 2002ء میں

ش۔ فرخ

8مارچ ظلم کے خلاف عورتوں کی جدوجہد کی یاد دلاتا ھے

آٹھ مارچ، عورتوں کا عالمی دن ظلم کے خلاف عورتوں کی جدوجہد کی یاد دلاتا ھے۔ جب عورتوں نے اپنے حقوق اور تمام سماجی اور سیاسی شعبوں میں شرکت کے لئے آواز اٹھائی تھی۔ انیسو!ں صدی کے اواخر میں صنعتی طورپر ترقی پذیر ممالک کی عورتیں ان تنخواہ دار ملازمتوں میں شامل ہو رہی تھیں جہاں مردوں کی بالادستی تھی۔ ان کے حالات کار ابتر اور تنخواھیں بہت کم تھیں۔ سیاسی پابندیاں ان تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹ تھیں جو عورتوں کی زندگیوں میں رونما ہو رہی تھیں۔ عورتوں نے ووٹ دینے کے حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں عورتوں کے حقوق کی عالمی تحریک نے جنم لیا۔

یہ دن ہمیں سوچنے پر آمادہ کرتا ہے کہ عورتوں کا استحصال ہوتا ہے۔ ان کی ناقدری کی جاتی ہے اور اکثر ظلم کیا جاتا ہے۔ یہ ہمیں اپنی کمٹمنٹ کی تجدید کرنے کی تلقین کرتا ہے کہ عورتوں کی حالت کو تبدیل ہونا چاہئے اور ان دانشورانہ روایات پر تنقیدی نظر ڈالیں جو عورتوں پر ظلم کو یا تو نظرانداز کرتی ہیں یا اسے برحق قرار دیتی ہیں۔ یہ وہ دن ہے جب سماجی تبدیلی کے لئے تشدد، تعصب اور تفریق کو ختم کرنے کے لئے آواز اٹھائی جاتی رہے۔

عصر حاضر میں تیسری دنیا کے ممالک کی عورتوں کی صورتحال جدید، صنعتی اور ترقی یافتہ ممالک سے مختلف ہے۔ سب سے زیادہ پریشان کن، شاید ان کی غربت سے بھی زیادہ وہ برتاؤ ہے جو جنوب ایشیائی ممالک میں، پاکستان سمیت، ان کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ عورتوں کے خلاف تشدد سب سے زیادہ شدید اور کم تسلیم شدہ انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔ لڑکوں اور مردوں کے لئے ترجیح، بچیوں کی طفل کشی، لاپرواہی اور عورتوں کی ہلاکت ایشیائی ممالک بشمول پاکستان سب سے بڑا سبب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ عورتوں کے خلاف تشدد اس لئے ہوتا ہے کہ وہ عورتیں ہیں دوسرے الفاظ میں عورت ہونا ایک پرخطر امر ہے۔ حال ہی میں ایک ٹیلی ویژن چینل پر آٹھ مارچ کے ضمن میں ریکارڈ کئے جانے والے پروگرام میں تین خواتین سے ایک سوال پوچھا گیا۔ اس سوال کے تین مختلف جواب تھے۔ ایک۔ پاکستان کی عورتوں نے گزشتہ چند برسوں میں خاطرخواہ ترقی کی ہے۔ دوسرا۔ پاکستان کی عورتیں انشاء اللہ بہت ترقی کریں گی۔ تیسرا اور آخری جواب تھا کہ پاکستانی عورتوں کی حیثیت جامد ہے اور یہ حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ صورتحال کب تک جوں کی توں رہے گی۔ یہ جواب بہت قنوطیت پسند ہے لیکن یہ حقیقت اور ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ بے شک پاکستان کی عورتیں اب عملی زندگی کے بہت سے شعبوں میں سرگرم عمل نظر آتی ہیں اور ایسی بہت سی خواتین ذمہ دار عہدوں پر فائز ہیں۔ ان میں سے چند بڑے اداروں کی سربراہ بھی ہیں۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ عورتیں تعلیم یافتہ اور ملک کے شہری علاقوں کے مراعات یافتہ طبقوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ اقلیت میں ہیں، جبکہ بہت سی عورتیں اب بھی محرومی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ یہ عورتیں جو اندرون سندھ سمیت ملک بھر کے دیہاتوں میں رہتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں جنہیں پینے کا صاف پانی، صحت کی سہولتیں اور زندگی کی دیگر آسائشیں میسر نہیں ہیں۔ وہ صوبے بھر میں زراعت کا کام کرتی ہیں۔ لیکن ان کے کام کو پیداواری خیال نہیں کیا جاتا اور انہیں اپنی محنت کا معاوضہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن کی اکثریت زچگی کے دوران مر جاتی ہے۔ ماؤں کی موت کے

عورتوں کا عالمی دن

پاکستان میں، بہت سی عورتیں اب بھی محرومی کی زندگی گزار رہی ہیں، ان میں سے اکثریت دیہی عورتوں کی ھے جنھیں زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی میسر نہیں ھیں

اسباب میں خراب صحت اور غذائیت کی کمی اہم ہیں۔ ماؤں کی موت کی فراوانی میں سماجی، سیاسی اور اقتصادی عوامل جھلکتے ہیں جو عورت کو حمل اور بچے کی پیدائش کے عمل میں محفوظ رہنے کے بنیادی حق سے محروم رکھتے ہیں۔

ایک مطالعے کے مطابق وہ عورتیں جو حمل کے دوران یا بچے کی پیدائش کے بعد مر جاتی ہیں، ان میں 15 فیصد عورتیں تشدد اور زخموں کی وجہ سے مرتی ہیں۔ کیونکہ حاملہ عورت تشدد سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ لہٰذا تشدد کے نتیجے میں مرنے والی عورتوں کی شرح پیدائش کے عمل کی پیچیدگیاں زیادہ ہے۔

سندھ کے بہت سے علاقوں میں عورت فروخت ہونے والی ایک جنس ہے جو قبیلوں اور انفرادی تنازعات کو ختم کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ عورتیں جرمانے ہرجانے اور دیگر لین دین، جس میں عزت کے نام پر قتل کے تصفیے بھی شامل ہیں، بطور جنس استعمال کی جاتی ہے۔

ایک تنظیم نے اپنی ایک حالیہ کانفرنس کا عنوان ''قتل کرنے میں کوئی عزت نہیں'' رکھا تھا جو سندھ میں کاروکاری کے ایک مطالعے سے حاصل ہونے والے حقائق پر مبنی تھا۔ اس دوران یہ امر بھی زیر بحث آیا کہ عورتوں کا قتل ایک منافع بخش کاروبار بن چکا ہے۔ یعنی عورت کو مارو اور پیسے کماؤ۔

2001ء میں کاروکاری کی بناء پر موت کے گھاٹ اتارے جانے والوں میں ایک تین سالہ بچی بھی شامل تھی۔ کیا کوئی اس پر یقین کرسکتا ہے کہ ایک کمسن بچی زنا کاری میں ملوث ہوسکتی ہے جسے خاندان کی عزت بچانے کے لئے قتل کیا گیا تھا۔

وزارت خارجہ کی جانب سے انسانی حقوق کی ایک رپورٹ جس میں پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی نشاندہی کی گئی تھی، مسترد کرتے ہوئے ایک بیان میں کہا گیا کہ اپریل 2000ء میں منعقد ہونے والی انسانی حقوق کی کانفرنس کے تمام اہداف حاصل کرلئے گئے ہیں۔ بے شک فوجی حکومت نے چند مثبت اقدام کئے ہیں۔ 7 مارچ کو صدر پرویز مشرف نے عورتوں کی ترقی اور اختیار کے لئے قومی پالیسی کا اعلان کیا ہے۔ سابقہ حکومتوں نے بھی پاکستان کی عورتوں کی بہتری کے لئے کبھی قومی منصوبہ عمل یا تحقیقاتی کمیشن کے قیام جیسے اقدامات کا اعلان کیا تھا، لیکن کوئی بھی منصوبہ جس پر عملدرآمد نہ کیا جائے محض جھوٹی تسلی ثابت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سی کاغذی کارروائیوں کے باوجود پاکستان کی عام عورت کی زندگی میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی۔ حال ہی میں وزیر برائے خواتین کی ترقی نے کہا ہے کہ کاروکاری کو قتل تصور کیا جائے گا۔ قومی کمیشن برحیثیت خواتین کی سابقہ چیئرپرسن نے یہی بات ایک سال قبل کہی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک کاروکاری کو قتل سے مستثنیٰ قرار دینے والی قانونی شق اور تمام امتیازی قوانین ختم نہیں کئے جائیں گے پاکستان کی عورتیں اسی طرح ظلم برداشت کرتی رہیں گی۔

یہ ایک حوصلہ افزا امر تھا کہ اب کے عورتوں کا عالمی دن سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر غیر معمولی جوش وجذبے سے منایا گیا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے بھی اس پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اخبارات نے اس ضمن میں خصوصی مضامین شائع کئے اور ٹیلی ویژن پر خصوصی پروگرام دکھائے گئے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اس وقت کیا محسوس کریں گے جب ایک انٹرنیشنل ٹی وی نیٹ ورک پر ''پاکستان میں عورتوں کا قتل'' کے عنوان سے فلم دکھائی جارہی ہو۔ وہ جو آٹھ مارچ کی تقریبات کا ایک حصہ تھا۔ کاش ہم پاکستانی عورتوں کو کسی بہتر طور پر یاد کیا جائے۔ اس کا ہمیں استحقاق ہے۔

(ش۔ فرخ سینئر صحافی اور عورتوں کے حقوق کی ایکٹوسٹ ہیں۔ یہ مضمون 8 مارچ کو سوشل ویلفیئر ڈپارٹمنٹ کی جانب سے منعقد کئے گئے اجلاس میں پڑھا گیا تھا)

آئی پی سی فیچر سروس

8 مارچ 1857ء	نیویارک کے ٹیکسٹائل کے کارخانوں میں کام کرنے والی عورتوں نے کم معاوضوں اور ابتر حالات کار کے خلاف مظاہرہ کیا۔
8 مارچ 1907ء	نیویارک کی عورتوں نے ووٹ دینے کے حق کے لئے اور بچوں کی مشقت کے خلاف مظاہرہ کیا۔
8 مارچ 1909ء	امریکہ میں اس دن کو باقاعدہ طور پر عورتوں کا عالمی دن تسلیم کرلیا گیا۔
1910ء	کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں سوشلسٹ انٹرنیشنل کی کانفرنس میں عورتوں کے دن کی تجویز پیش کی گئی۔ جسے 17 ممالک کی 100 عورتوں نے متفقہ طور پر منظور کیا۔
19 مارچ 1911ء	عورتوں کا پہلا عالمی دن جرمنی، ڈنمارک، آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کی عورتوں نے منایا۔ ایک اندازے کے مطابق ایک ملین عورتوں نے ووٹ کے حق اور صنفی امتیاز کو ختم کرنے کے لئے منعقد کئے گئے مظاہروں میں شرکت کی۔
8 مارچ 1913ء	روسی عورتوں نے یہ دن منایا اور روسی حکومت نے اسے قومی تعطیل قرار دیا۔
1968ء	[illegible] خاموشی رہی جب تک 1968ء میں 69 ملکوں کی عورتوں نے اس دن کو بحال نہ کیا۔
8 مارچ 1971ء	لندن میں 5 ہزار عورتوں نے مساوی حقوق اور مواقع کے لئے مظاہرہ کیا۔
1977ء	اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے باقاعدہ طور پر 8 مارچ کو عورتوں کے عالمی دن کی قرارداد منظور کی اور اقوام متحدہ کا یوم برائے "حقوق نسواں اور عالمی امن" کا اعلان کیا گیا۔

نورالدین احمد

کراچی کو ماحولیاتی تباہی سے کیسے بچایا جائے

کراچی کی بیشتر کھلی جگہوں پر جبری قبضہ ہو چکا ہے جس کی روک تھام کے لئے بڑی مداخلت کی ضرورت ہے

کراچی کے شہر کو ہمارے معاشرے کی تمام سطحوں کے افراد نے اپنے مختصرالمدت سیاسی اور معاشی فائدے کے لئے دیدہ و دانستہ اور قصداً موجودہ صورتحال تک پہنچایا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ لوٹ مار اور غبن میں مزید مختلف عناصر شریک ہوتے رہے ہیں۔ رہنما اصول اور قواعد وضوابط کے علاوہ متعلقہ اداروں کو تباہ کردیا گیا یا انہیں جان بوجھ کر بے کار بنادیا گیا تا کہ آسان کمائی کی بڑھتی ہوئی دولت تک پہنچ کو آسان بنادیا جائے۔ اس سارے قصے کا حقیقتاً سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے شہر کو سب سے زیادہ نقصان ان لوگوں کی سرگرم شرکت یا غیر متحرک چشم پوشی نے پہنچایا ہے جو اس کے مستقل باشندے ہیں۔

ہمارے ذہنوں میں اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس تمام ابتری اور انحطاط کو بدلنے کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہے؟ یا ہمیں اٹھ کر نقل مکانی کرلینی چاہئے۔ ہم سے ان لوگوں کے لئے جو نقل مکانی نہیں کرسکتے یا بالکل نہیں کریں گے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم اپنے تمام ذرائع اکٹھا کریں اور اپنے ماحول کا کنٹرول ہاتھ میں لے لیں اور اس گندگی وابتری کی صفائی کردیں۔

کراچی دنیا کے عظیم ترین میگا پولیس میں سے ایک ہے۔ ہمارے شہر کا سائز اور بڑھنے کا انداز دونوں ہی خوفزدہ کرنے والے ہیں اگر شہر کی منصوبہ بندی حقیقت پسندانہ انداز میں تازہ ترین ہوتی اور اتھارٹی اور اس کے باشندے مل کر اس نظام موثر طریقے پر چلاتے تو یہ بیک وقت اپنے باشندوں کو اپنا معیار زندگی بہتر بنانے کا ایک موقع ضرور فراہم کرتا۔

وفاقی حکومت نے اس شہر کو باقاعدہ بنانے اور انتظام سنبھالنے کی جانب پہلا قدم اٹھایا اور کراچی کو 18 ٹاؤنز میں تقسیم کردیا۔ اس نے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ ایک واحد یونٹ کی حیثیت سے اس کا فطری انتظام موثر انداز میں ممکن نہیں ہے لیکن ٹھوس متبادل سے گریز کرنے کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وفاقی حکومت نے کنٹونمنٹ بورڈ کے مسئلے کو نہیں چھیڑا ہے جو اس شہر کی مختلف جگہوں پر بکھرے ہوئے خودمختار جزیرے ہیں۔

کراچی شہر کا کوئی بھی ترقیاتی پہلو ایک عام شہری کے ذہن کو الجھن میں نہیں ڈالتا بلکہ وہ شہر کی طبعی شکل وصورت اور اس کے ترقیاتی اداروں کے تنوع سے ضرور پریشانی اور الجھن میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ یہ ایک ایسا شہر ہے جس کی دیکھ بھال دو درجن سے زیادہ ترقیاتی ادارے اور شعبے کرتے ہیں اور یہ فخریہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ زمین کے مالک تقریباً 15 ادارے شہری خدمات کی ناقابل بیان انحطاط اور زندگی کے ماحول کی خرابی سے گزرے ہیں۔ یہ بہت ضروری و لازم ہے کہ ہم کوئی تجویز یا سفارشات پیش کرنے سے پہلے موجودہ حقائق کی نشاندہی کریں اور انہیں قبول کریں۔ دنیا کے دیگر بین الاقوامی کاسموپولیٹن شہروں کے لئے مقرر کردہ معیارات کے مطابق کراچی کی منصوبہ بندی ہوئی اور پروان چڑھایا گیا۔ یہ پاکستان کے دیگر شہروں سے نمایاں ہے کیونکہ ان کی نشوونما ان کی تاریخی جغرافیائی محل وقوع کے حساب سے ہوئی ہے جو مقامی کلچر کی عکاسی کرتی ہے۔ جبکہ کراچی ایک جدید اور زیادہ کشادہ معاشرے کا حامل ہے جہاں روایتی اور جدید رجحانات دونوں خوبی کے ساتھ موجود ہیں اس سلسلے میں سنگاپور اور کوالالمپور جیسے شہروں کی مثال دی جاسکتی ہے۔ کراچی میں حکام شہر کی آبادی کی بڑھتی ہوئی رفتار کا ساتھ دینے میں ناکام رہے ہیں اور حکومتی لیڈرشپ کی ضرورت آہستہ آہستہ کم اور پھر غائب ہوگئی تو مختلف کرداروں نے شہر پر قبضہ کرکے خلاء کو پر کردیا اور بہت تیزی کے ساتھ ایک زندگی سے بھرپور اور جدید شہر کو ہمارے دور دراز کے بقیہ علاقوں کی سطح تک پہنچادیا گیا۔

شہری بڑھوتری کو صحیح سمت کی جانب اور ایک مربوط انداز میں لے جانے کا حل ماسٹر پلاننگ میں ہے۔ ماسٹر پلان بنیادی طور پر ایک پالیسی دستاویز ہے جو موجودہ نقائص اور کوتاہیوں کو دور کرنے اور مستقبل کی شہری ضروریات کا بندوبست کرنے کے لئے عمل کی

> کراچی اپنے باسیوں کے معاشی فائدے کے لئے مواقع اور سمت مہیا کرنے اور عظیم معاشی افزائش اور پاکستان کے متحرک عوام کی فلاح و بہبود کے لئے قوت اور صلاحیت رکھتا ہے

ایک راہ کا تعین کرتی ہے۔ اس تصور پر عملدرآمد کرنے کے لئے ایک آزاد اور خودمختار ماسٹر پلان ڈپارٹمنٹ کے فوری قیام کی درخواست کی گئی ہے جو براہ راست ناظم کے تحت کام کرے اور سب سے پہلا کام پورے کراچی کے لئے ایک ماسٹر پلان کو تیار کرنے کا کرے۔ جس کا اعلان حکومت کو کرنا چاہئے۔ تاکہ 1974ء اور 2000ء کے ماسٹر پلانز کی مانند اس کا ناجائز اور غلط استعمال نہ کیا جاسکے۔ کراچی کے شہریوں کے لئے یہ ایک نہایت قابل اطمینان بات ہے کہ چیف ایگزیکٹو نے 14 اپریل 2001ء کو کراچی کے احیائے معیشت کے جس پیکج کا اعلان کیا اس میں کراچی کے ایک ماسٹر پلان کی تیاری کو شامل کیا گیا ہے کے ڈی اے کے شعبہ ماسٹر پلان اور ماحولیاتی کنٹرول نے پہلے ہی کے ڈی ایم پی۔2000ء کے پلان کے ڈیٹا بیس کو تازہ ترین بنانے کا کام شروع کردیا ہے۔ کے ڈی ایم پی۔2000ء کو جون 1990ء میں قطعی شکل دی گئی تھی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آج بھی یہ پلان سرکاری طور پر منظور نہیں کیا گیا یا اسے کراچی کے لئے ایک جاری پلان نہیں بنایا گیا۔

ماسٹر پلانز خودبخود حرکت نہیں کرتے۔ انہیں ادارہ جاتی انتظامات کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ پلانز/تجاویز کے مطابق اپنی سرمایہ کاری کے فیصلے کریں اور شہر کے ترقیاتی پروگرام میں اپنا کردار پوری طرح ادا کرنے کے لئے ممکنہ اقدامات اٹھائیں۔ پلان کو قانونی حمایت کے بغیر ان مقاصد کا حصول ناممکن ہے۔

بدقسمتی سے حکومت کے اندر موجود کچھ عناصر کے ہاتھ اس قسم کی قانونی پیش بینی اور منصوبہ بندی کے باعث بری طرح بندھ جاتے ہیں چنانچہ وہ آرام اور اطمینان محسوس نہیں کرتے۔

کے ڈی ایم پی۔2000ء کے مطابق کراچی جیسے میگا سٹی کی بالترتیب افزائش کے نفاذ اور منصوبہ بندی کے لئے ہمیں کے ڈی اے نے مطلع کیا ہے کہ کراچی ڈویژن فزیکل پلاننگ ایجنسی (کے ڈی پی پی اے) کی صورت میں ایک مضبوط اور بہت زیادہ منظم پلاننگ اتھارٹی تجویز کی گئی ہے۔ اس کی تخلیق کے لئے ایک قانون کی دستاویز تیار ہوچکی ہے اور حکومت کو پیش کی جاچکی ہے شعبہ قانون اس کا جائزہ لے رہا ہے۔ یہ ایجنسی براہ راست مجوزہ شہری حکومت کے تحت کام کرے گی اس میں تمام متعلقہ ایجنسیوں کی نمائندگی ہوگی۔ یہ پورے مجوزہ نئی کراچی سٹی ڈسٹرکٹ

آیئے کراچی کو خوابوں کا شہر بنائیں

پر محیط ہوگا۔ اس بات سے قطع نظر کہ علاقے وفاق، صوبائی یا مقامی کنٹرول میں ہیں۔ کے ڈی، پی پی اے کے قیام سے یہ امید ہے کہ شہری ترقیاتی منصوبوں پر عملدرآمد ہوگا۔

کے ڈی ایم پی۔2000ء کی تجویز کے علاوہ شہر کے ناظم کو جس پروجیکٹ کو فوری طور پر اپنے براہ راست کنٹرول میں لینا چاہئے وہ شہری مرکز کی ازسرنو ترقی ہے جس سے کراچی شہر کو بہت زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ شہر صرف کاروں کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کے باشندوں کی تفریح کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ ہمیں ایک موٹرزدہ، دھواں دار سخت کنکریٹ جنگل کی بجائے صحتمند اور قابل رہائش شہر کو فروغ دینے کی ضرورت ہے جب کبھی ہم ایمپریس مارکیٹ کی تصاویر دیکھتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے۔ جہاں آئے دن پتھارے داروں کو ہٹایا جاتا ہے اور وہ پھر ناجائز تجاوزات قائم کرلیتے ہیں۔ منصوبہ بندی کرنے والوں کو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ انصاف کا تقاضا ہے کہ ٹریفک شہریوں کے لئے جگہ تنگ نہ کرے۔

ہمارے تجربے نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ لوگ اپنے شہر سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں اور عارضی طور پر علاقے کو پیدل چلنے والوں کے لئے مخصوص کرکے ایسی سرگرمیوں کے لئے ایک میدان عمل تخلیق کرنا ہے جو بصورت دیگر ممکن نہیں تھیں۔ مثلاً وہ یہاں عمر، نسل، زبان، حیثیت کی پرواہ کئے بغیر ایک دوسرے سے کندھے سے کندھا ملائیں گے اور انہیں ایک احساس آزادی اور لطف اندوزی ملے گا۔ یہ ایک ایسی ہی صورتحال ہے جسے ہم مستقل بنیادوں پر کراچی میں دیکھنا پسند کریں گے۔ ہمیں شہر کو رہنے کے قابل بنانے کے لئے ایک بڑی مداخلت کی ضرورت ہے ہماری بیشتر کھلی جگہوں پر جبری قبضہ ہوچکا ہے۔ اب یہ بہت اہم ہے اور یہ ساری دنیا میں ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ سڑکوں کو پیدل چلنے والوں کے لئے مخصوص کردیا جائے اور انہیں درختوں اور دیگر پھول اور سبزے سے آراستہ کیا جائے۔

ایم اے جناح روڈ، میلسفیلڈ اسٹریٹ، اتوروتی روڈ، وکٹوریہ روڈ، پریڈی اسٹریٹ کی حد بندی کے علاقے کو ایک مرکزی چوراہے یا سینٹرل اسکوائر میں تبدیل کرنے سے کراچی کو ایک پیزا یعنی عمارات سے گھرا چوک کی حیثیت سے ایک بڑی کھلی جگہ حاصل ہوجائے گی۔ ایک شہری مرکز جو ہر مہذب شہر تو رکھتا ہے لیکن کراچی اس سے محروم ہے۔

حد بندی کئے ہوئے اس علاقے کو تمام گاڑیوں کی ٹریفک کے لئے بند ہونا چاہئے۔ استثنائی طور پر ایک خصوصی شٹل سروس ہو جو صرف خریداروں کی اندرونی نقل وحرکت کے لئے چلائی جائے۔ حد بندی کے اس علاقے کے لئے ایک خصوصی ''ازسرنو ترقیاتی ادارہ'' تشکیل دیا جاسکتا ہے جو اس اسکیم کے تمام پہلوؤں کے قواعد وضوابط ترقی اور منصوبہ بندی کے لئے ہو۔ کراچی کی افزائش دم گھٹانے والی یا رکاوٹی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ہونی چاہئے۔ اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ اس کی افزائش کو مختلف دھاروں میں ڈالا جاسکتا ہے اور پھر منصوبہ بندی اور حقیقت پسندانہ قوانین کے ذریعے اس کا موثر انتظام اور انصرام ہوسکتا ہے۔ کراچی اپنے باسیوں کے معاشی فائدے کے لئے مواقع اور سمت مہیا کرنے اور عظیم معاشی افزائش اور پاکستان کے متحرک عوام کی فلاح و بہبود کے لئے قوت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہماری شہری حکومت لازمی دیدہ بینا کی مالک ہو۔

یہ مضمون محتسب اعلیٰ سندھ کے سیکریٹریٹ کی جانب سے ''ٹاؤن پلاننگ'' کے موضوع پر ہونے والے ایک سیمینار میں پڑھے گئے مضامین کی تالیف سے مطالعہ کرکے اور حوالے لے کر تیار کیا گیا ہے۔

نورالدین ایک انجینئر اور رکن پاکستان انجینئرنگ کونسل ہیں۔ ❀❀❀

نوید حسین

قانون کی خلاف ورزی کا ذمہ دار کون ہے؟

شہر میں تعمیر ہونے والی بہت کم عمارات کے ساتھ مشہور ماہر تعمیرات الیکٹریکل یا پلمبنگ انجینئر منسلک ہوتے ہیں

کچھ لوگوں کے ذہنوں میں 260 غیر قانونی سیل شدہ عمارات کے بارے میں ایک سوال اٹھتا ہے۔ کچھ بلڈرز ہوں گے جنہوں نے ان عمارات میں سرمایہ کاری کی اور جب تک انہیں قانونی قرار نہیں دیا جاتا اس وقت تک وہ پھنس چکے ہیں شاید دوسری طرف وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ان عمارتوں میں اپنی رقم لگائی اور برسوں سے ان عمارات کو قانونی قرار دیئے جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ کم تنخواہ دار سرکاری اہلکار بھی ہیں جنہوں نے ان کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

دوسری بہت سی کم ترقی کرنے والی قوموں کی طرح اس ملک میں بھی تمام کاروباری قوانین کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ کچھ ماہ قبل قومی احتساب بیورو (نیب) نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ایک موکل کے تعمیراتی بلوں کی تصدیق کروں۔ پتہ چلا کہ غلط بلنگ ساڑھے سات ملین روپے تک پہنچ چکی ہے۔ میں نے نیب کے افسران سے کہا کہ اگر آپ اس چکر میں پڑے تو پاکستان میں ہونے والا تمام کاروبار غلط ہو جائے گا۔ ہم اس بات پر متفق تھے۔ میں نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا کہ ایک طرح سے تو ہم سب ہی بدعنوان ہیں کیونکہ ہم اسی طرح بنے ہیں یا ایسے بنا دیئے گئے ہیں اور جن وجوہات کے باعث ایسا ہوا وہ ہمارے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔

عملی طور پر 90 فیصد بلڈروں کے پاس ناجائز دولت اور کالا دھن ہے۔ جس کی وہ سرمایہ کاری کرنا چاہتے ہیں اور جلد از جلد واپسی چاہتے ہیں، میں نے جب بلڈرز سے بات کی اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ تعمیرات کی بجائے صنعتوں میں سرمایہ کاری کیوں نہیں کرنا چاہتے تو ان کا جواب تھا کہ وہ صنعتوں میں سرمایہ کاری اس لئے نہیں کرنا چاہتے کہ اس میں بہت زیادہ ادارے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ شاید ان کی سرکاری اہلکاروں سے اچھے اور قریبی روابط ہوں گے جو انہیں ”سب ٹھیک ہے“ کا سگنل دے دیتے ہیں اور جب غیر قانونی کام ہوتا ہے تو وہ اپنی آنکھیں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

پھر وہ فرضی و جعلی ناموں پر زمین خریدتے ہیں چنانچہ کوئی نہیں جانتا کہ زمین کا مالک کون ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ دکانوں اور فلیٹوں کی گنجائش سے زیادہ بکنگ کر لیتے ہیں۔ پھر وہ برسوں تک رقم لے کر بیٹھے رہتے ہیں اور بہت دباؤ کے بعد ان لوگوں کو اصل رقم واپس کرتے ہیں جنہوں نے جائیداد بک کرائی تھی۔ بہت سے واقعات میں اگر کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی نے عمارت کی پانچ منزلہ تعمیر کی اجازت دے دی ہے تو وہ مستقبل کے مکینوں سے کہتے ہیں کہ وہ بعد میں اجازت حاصل کر لیں گے۔ یہ کم اونچی عمارت کے خلاف رقم بٹورنے کا ایک اور حربہ ہے جہاں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جرمانے کے ذریعے اسے بلند و بالا عمارت میں تبدیل کر لیں گے چنانچہ حقیقتاً وہ پانچ منزلہ عمارت کے بجائے ایڈوانس میں گیارہ منزلوں کے لئے روپے حاصل کرتے ہیں۔

کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ ان کے پاس جو دولت ہے وہ یا تو بینکوں میں ہے یا پھر کسی اور ”منافع بخش تجارت“ میں لگی ہوئی ہے۔

ان بلڈروں نے بہت سے عمارتی قواعد و ضوابط اور تعمیراتی طریق کار کے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ انہوں نے کنکریٹ کو ملانا نہیں چاہا یا اس کا انتظار نہیں کیا۔ مناسب شٹرنگ نہیں لگائی۔ چھت کے پتھریلے تختے کی تعمیراتی اسٹیل میں کمی کی ایسے بہت سے قوانین اور اصول ہیں جن پر بات کی جا سکتی ہے۔

ان عمارات کے مستقبل کے مکینوں کے بارے میں بھی ہمیں دیکھنا چاہئے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق اور شہری حقوق سے نابلند ہیں۔ یہ درست ہے کہ شاید وہ لالچی ہوں کیونکہ وہ کم قیمت پر کوئی چیز

شھری ترقی

کراچی کے لئے جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ھے، منصوبہ بندی کے قوانین یہ سوچ کر مرتب کئے جائیں کہ ایک روز کراچی کی آبادی 40 ملین ھو جائے گی

حاصل کرنے کی خواہش میں اپنی رقم آنکھیں بند کر کے ایڈوانس میں ادا کر دیتے ہیں۔ شاید وہ رسیدیں بھی حاصل کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ان کا پیسہ غیر قانونی ہے۔ پھر اگر کوئی بلڈر قوانین کے مطابق تعمیر کرنا چاہتا ہے تو یہ اس شخص پر انگلیاں اٹھاتے ہیں اور الزام لگاتے ہیں کہ وہ انہیں لوٹ رہا ہے۔ رہائش کنندگان جائیداد ٹیکس کی بھی بہت معمولی مقدار ادا کرتے ہیں۔

ہم زلزلے کی تباہ کاریوں پر نظر ڈالیں تو ترکی اور جنوبی کوریا میں زلزلے کے باعث ہزارہا عمارات گر گئیں۔ میں نے ایک تبصرہ پڑھا تھا کہ ان عمارتوں کے گرنے کی جزوی وجہ یہ تھی کہ رہائش کنندگان نے زلزلے کے خلاف تعمیر کے لئے ادائیگی نہیں کی تھی۔ کچھ عرصے کے گزرنے کے بعد زلزلے سے متعلق حالات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں تو کیا تمام عمارتوں کو بھی تبدیلی کے عمل سے گزرنا ہوگا؟ شاید زلزلے سے متعلق حالات بدل جائیں اور تعمیراتی کمپنیوں کو مورد الزام نہ ٹھہرایا جائے۔ حکومت کو ان لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے کہ تعمیرات کے لئے زلزلے سے متعلق حالات کیا ہیں۔

ہم سب ان پرانی عمارات کے بارے میں پھر کیا کریں گے جہاں زلزلے سے متعلق حالات کے بارے میں لاعلمی پائی جاتی ہے۔ ہم ایک نچلی سطح کی معیشت میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں اگر ہم ان سہولتوں کی مانگ کرنے لگیں تو یا تو تعمیرات بالکل نہیں ہوگی یا پھر کمپنیاں اتنی زیادہ قیمت طلب کریں گی کہ وہ پہنچ سے باہر ہوں گی۔

ہم سب جانتے ہیں کہ نئی دہلی اور بمبئی میں جائیداد کی قیمت کراچی کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔ بمبئی میں شہر کے مرکز میں ایک فلیٹ خریدنے کے لئے آپ کو ایک موٹی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے۔ جبکہ کراچی میں یہ

ترقیات میں منصوبہ بندی کا فقدان

خریداری آسان ہے اور یہ قیمت ایک دس کے حساب سے ہوگی۔

پھر نکالے ہوئے اور واپس آئے ہوئے سرکاری اہلکاروں کے علاوہ بہت سے حکام اور تمام سیاستدان (چند ایک کو چھوڑ کر) صحیح قیمت پر آپ کو خوش کرنے والے کاموں کو کرنے کے لئے وہاں موجود ہوتے ہیں کسی بھی علاقے میں ہم اپنے فلیٹ بک کرانا چاہتے ہیں تو ہم شہری حقوق یا پلاننگ قوانین کا قطعی خیال نہیں کرتے۔ اگر ہماری زندگی بھر کی جمع پونجی کسی عمارت میں پھنس جاتی ہے تو ہم کسی اور کے شہری حقوق یا پلاننگ قوانین کی پرواہ نہیں کرتے۔

پاکستان میں ہر ادارے میں بڑھتی ہوئی بدعنوانی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اخراجات زندگی کا مقابلہ کریں اور اسے بین الاقوامی طور پر تبدیل کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ نچلے متوسط طبقہ کے ملازم کارکن صرف اپنی تنخواہوں پر گزارا نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی جائیداد کے ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ پانی مفت حاصل کرتے ہیں اور شاید بجلی چوری کرتے ہیں۔ تمام سرکاری ادارے مالیاتی دیوالیہ پن کے نزدیک پہنچ چکے ہیں۔

یہ سوال دریافت کیا جا سکتا ہے کہ اگر ہم سب ان سہولتوں کی ادائیگی نہیں کریں گے تو کیا حکومت ان کے بل ادا کرے گی؟ حکومت صرف اپنے بیرونی قرضوں کی ادائیگی سے مسلسل انحراف کر سکتی ہے۔

پھر ثقافتی ورثے کی عمارات کا بہت معمولی کرایہ وصول ہوتا ہے۔ ان کے مالکان کس لئے مصیبت بھریں؟ حکومت کی جانب سے انہیں ان عمارات پر مالیاتی رعایت کے ساتھ دوبارہ قبضے کی اجازت ملنی چاہئے یا پھر پیسے والے لوگ ان جائیدادوں کو خرید لیں یا ان کی ازسرنو آرائش کریں۔

اگر ان عمارات پر توجہ نہیں دی گئی تو وہ مالکان کی بے اعتنائی کے باعث برباد ہو جائیں گی یا مالکان خود ان پروجیکٹس کو منہدم ہونے دیں گے۔

کراچی میں ہزارہا بلند و بالا عمارتیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بہت کم عمارات کے ساتھ مشہور ماہر تعمیرات، بناوٹ یا ساخت سے متعلق الیکٹریکل یا پلمبنگ انجینئر منسلک ہیں۔ اگر عمارت کا کنٹریکٹر ان لوگوں کی خدمات حاصل کرتا ہے تو اس کا منافع کم ہو جائے گا یا وہ مکینوں سے اخراجات کا کچھ حصہ ادا کرنے کا مطالبہ کرے گا اور پھر قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ شاید کنٹریکٹر کے پاس کالا دھن ہے۔

اس ملک میں تحفظ کی جانب لاپرواہی اور غفلت برتی جاتی ہے، اگر کسی عمارت کے بیسمنٹ میں کاریں پارک ہوں اور بم پھٹ جائے تو اس سانحے کے نتیجے میں لاتعداد اموات واقع ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اگر ایک کار بہت اچھی چیک نہیں کی جاتی تو ڈرائیوروں کے لئے یہ ہی بہتر ہے کہ وہ گاڑیاں باہر پارک کر دیں۔ اس کے علاوہ کیا مکینوں کو اس غیر استعمال شدہ کار پارکنگ کی جگہ کے لئے ادائیگی کرنی ہوگی؟

مرکز شہر میں پروجیکٹس کے بارے میں کیا ہوا؟ جہاں سینما گھروں کو غیر قانونی طور پر توڑ کر دکانیں اور فلیٹس تعمیر کئے گئے۔ بلڈرز

عملی طور پر 90فیصد بلڈروں کے پاس ناجائز دولت اور کالا دھن ہے جس کی وہ سرمایہ کاری کرنا چاہتے ہیں اور جلد از جلد واپسی بھی چاہتے ہیں، تعمیرات کی بجائے صنعتوں میں سرمایہ کاری نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کے خیال میں صنعتوں میں بہت زیادہ ادارے شامل ہوتے ہیں

کے علاوہ بلڈنگ اتھارٹیز اور عام شہری بھی موردِ الزام ہیں۔ مختصراً یہ کہ تینوں ہی قابل ملامت ہیں اور تمام پاکستان بھر کا سانحہ ہے۔ بلڈر جان لیوا منافع کماتے ہیں۔ منصوبہ بندی کرنے والے ادارے ذرا کم مقدار میں روپیہ بناتے ہیں اور خوش قسمت مکین کو ایک فلیٹ یا دکان مل جاتی ہے۔

میں کراچی بلڈنگ اتھارٹی کے کم تنخواہ پانے والے حکام کو جانتا ہوں، جو ''تفریح'' کے لئے فلیٹوں میں شریک ہیں۔ کسی فرد کو ''درمیانی آدمیوں'' (مڈل مین) سے بھی واسطہ پڑسکتا ہے۔ پرانی یا ورثہ (ہیریٹیج) کی عمارت کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے (جن کا انہدام نہیں کیا جائے گا) اگر مالک اور خریدار اچھی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہیں تو وہ عمارت کو محفوظ عمارات کی فہرست سے خارج کراسکتا ہے یعنی پھر اسے گرایا جاسکتا ہے۔ منصوبہ بندی کے نامعقول اور نامناسب قوانین بھی موجود ہیں۔ کراچی کے کاروباری ضلع کے عین دل میں واقع آئی آئی چندریگر روڈ پر کچھ موکل صرف پانچ منزلہ عمارت ہی تعمیر کرسکتے ہیں۔ اور اگر موکل بہت اہم ہے جیسے اس سڑک پر تعمیر ہونے والی ''صائمہ ٹاورز'' نامی عمارت ہے تو وزیراعظم نے ایک وسیع وعریض ڈھانچے کی تعمیر کی ''خصوصی اجازت'' دی ہے جس کی وجہ سے ایک بے سوچی سمجھی اور بدنما عمارت وجود میں آئی۔ اور اس جرمانے کا کیا ہوا جو بلڈر کو ادا کرنا تھا؟ اگرچہ کہ پاکستان کی آبادی 150 سال کے عرصے میں صفر پیداوار کو چھولے گی اس وقت ہماری آبادی 450 ملین تک پہنچ جائے گی اور ہم دنیا کی سب سے زیادہ آبادی رکھنے والے ملکوں میں تیسرے نمبر پر ہوں گے۔ گزرے ہوئے عرصے میں ہم نے آبادی کے انڈیکس کارڈ میں اوپر کی جانب حرکت کی ہے۔

لیکن آبادی کی اس وسیع افزائش سے قطع نظر کراچی کے بارے میں سوچیں جہاں ہر علاقے میں منصوبہ بندی کی اتھارٹیز نے تعمیراتی قوانین طے کئے ہیں وہاں عمارتوں کے درمیان کچھ یکسانیت بھی ہونی چاہئے تھی۔ ذرا گلشن اقبال جیسے علاقوں کے بارے میں سوچیں جہاں مکانات ہیں۔ تین کمروں کے اپارٹمنٹس بھی ہیں اور بلند و بالا عمارات بھی ہیں، لیکن ان کے درمیان تعمیری یکسانیت پائی جاتی ہے اس لئے وہاں توازن ہے۔ مجھے ڈاکٹر فاروق ستار کے ساتھ ایک بحث یاد ہے۔ اس وقت وہ کراچی کے میئر تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے بھی نہیں معلوم کہ کراچی میں منصوبہ بندی کرنے والے اداروں کی تعداد کیا ہے۔ کراچی کے ماسٹر پلان اور ٹاؤن پلاننگ کو کنٹرول کرنے کے لئے ایک چھتری کی ضرورت ہے۔ اس ادارے سے ترکی کی مانند تمام سیاسی جماعتوں کو ہٹا دینا چاہئے۔

سی پی ایل سی اور خود میں نے ذاتی طور پر کراچی بل پارک کے پلاٹوں کو نجی اشخاص کے سپرد کرنے کی غیر قانونی کارروائی کے خلاف عدالت میں مقدمہ لڑا۔ منصوبہ بندی کے اداروں کے تمام ملازمین کی مناسب تنخواہیں ہونی چاہئیں تاکہ انہیں بدعنوانی میں ملوث ہونے کی کوئی تحریک نہ ہو۔

منصوبہ بندی کے اس ادارے کو تمام کراچی کے لئے جامع ٹاؤن پلاننگ کرنی چاہئے بجائے اس کے منصوبہ بندی تمام ادارے اپنے طور پر کام کریں۔

اس بارے میں کچھ سوچ و بچار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ منصوبہ بندی کے قوانین یہ سوچ کر مرتب کئے جائیں کہ ایک دن کراچی کی آبادی 40 ملین ہو جائے گی۔ کراچی سے پشاور تک ہائی وے کے ساتھ ساتھ شہری افزائش متقی ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا کہ ترجیحات کی ازسرنو ترتیب ضروری ہے۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی جمالیات اور ورثے (ہیریٹیج) کے لئے واحد کنٹرول کرنے والا ادارہ ہے۔ اگر کوئی غیر قانونی عمارات کے خلاف ایکشن لینا چاہتا ہے تو ہمیں ان کی جائیداد کے اخراجات ادا کرنے کے لئے قانونی طور پر پابند ہونا چاہئے۔ ان محصولات کی ادائیگی کو یقینی بنانے کے لئے قوانین کو استحکام ملنا چاہئے کیونکہ اس کے بغیر شہر کے پاس کوئی فنڈ نہیں ہوگا۔

غیر قانونی ہاؤسنگ (کچی آبادیاں) اور ان کی دوبارہ منصوبہ بندی کو بھی دیکھنا بہتر ہوگا۔ ہر مکین کو ایک فلیٹ مہیا کریں اور بقیہ کو فروخت کردیں۔ بلڈروں کو ان کی فنڈنگ میں حکومت کی برابری کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ ان علاقوں کو دیکھئے جو تعمیر ہو چکے ہیں۔ انہیں منہدم کیجئے اور وہاں اونچی بلند و بالا عمارات تعمیر کیجئے۔

آخر کوئی شخص بھی اپنے کام کی جگہ سے 30 میل دور رہنا اور آنے جانے کے دوران ٹریفک کے بکھیڑے میں پڑنا نہیں چاہتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں کسی سے زمین کی آسمان کو چھونے والی قیمتوں کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ میں نے کہا کہ کم آمدنی رکھنے والے ان میں رہائش اختیار کرنے کی مقدور نہیں رکھتے۔ جس شخص سے میں بات کر رہا تھا اسے اس کی پرواہ نہیں تھی اس نے کہا ان لوگوں کو اپنی جائیداد فروخت کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

نوید حسین ماہر تعمیرات، رکن مجلس عاملہ۔ شہری۔ سی بی ای) ❀❀❀

بلڈروں نے بہت سے عمارتی قواعد و ضوابط اور تعمیراتی طریق کار کے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے، انہوں نے کنکریٹ کو ملانا نہیں چاہا یا اس کا انتظار نہیں کیا، مناسب شٹرنگ نہیں لگائی اور چھت کے پتھریلے تختے کی تعمیراتی اسٹیل میں کمی کی

کرن بشیر احمد

نوجوانوں کے بارے میں حقائق

ترقی پذیر ممالک میں ہر 10 بے روزگار افراد میں سے 8 نوجوان ہوتے ہیں

- کم ترقی یافتہ ممالک میں صرف 13 فیصد لڑکیاں اور 22 فیصد لڑکے سیکنڈری تعلیم حاصل کرتے ہیں۔
- عالمی طور پر 10 بے روزگاروں میں سے 5 افراد جوان ہوتے ہیں۔ اور کچھ ترقی پذیر ممالک میں یہ تعداد ہر 10 میں سے 8 ہے۔
- دنیا بھر میں 10 سے 14 برس کے درمیان عمر رکھنے والے 73 ملین نوجوان کام کرتے ہیں۔

زندگی کے حقائق

- معلومات کی کمی اور مانع حمل کے طریقوں تک نارسائی کے ساتھ ساتھ جنسی زیادتی نوجوان لڑکیوں کو ناپسند حاملگی کے خدشات و امکانات سے دوچار کر دیتی ہے۔
- ترقی پذیر ممالک میں 18 برس سے کم عمر کی ماؤں میں شرح اموات 18 سے 25 برس کی خواتین کے مقابلے میں دو سے پانچ گنا زیادہ ہے۔
- دنیا بھر میں پیدا ہونے والے بچوں کا 10 فیصد سے زیادہ بچے 15 سے 19 برس کی لڑکیوں کے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ ہر برس ہر 20 نوجوانوں میں سے ایک سے زیادہ نوجوان قابل علاج جنسی طور پر منتقل ہونے والی بیماری (STD) میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس میں وائرل انفیکشن شامل نہیں ہے۔

ان کی ضرورتیں کئی ہیں۔ تعلیم، روزگار، تولیدی اور جنسی صحت تک رسائی کی ضرورتوں کو مکمل طور پر پورا نہیں کیا گیا۔ پاکستان میں نوجوانوں کی ضرورتوں اور حقوق کو افسوسناک حد تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس وقت نوجوانوں سے متعلق تولیدی صحت کے مسائل پر واضح اور موثر قومی پالیسی موجود نہیں ہے۔

- جنوبی ایشیا میں خواتین کی سیاسی، معاشی اور سماجی مواقعوں تک رسائی بہت کم یعنی 0.23 ہے جبکہ پاکستان میں یہ 0.165 پر بتائی جاتی ہے۔ (جنوبی ایشیا میں انسانی ترقی 1997ء)
- نوجوان لڑکے کے مقابلے میں نوجوان لڑکی کو خواندگی، تعلیمی اداروں تک رسائی، مختلف سطحوں پر اسکولوں میں داخلے، روزگار، غذائیت اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کے میدانوں میں امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔ پاکستان میں نوجوان لڑکیوں کی آبادی 21.6 فیصد ہے۔ 10 سے 14 برس اور 15 سے 19 برس کے گروہ بالترتیب 12.2 فیصد اور 9.4 فیصد ہیں۔ (فیڈرل بیورو آف اسٹیٹکیس)
- دیہی علاقوں کی نوجوان لڑکیاں اپنی شہری ہم جولیوں کے مقابلے میں زیادہ نقصان میں رہتی ہیں۔ 1995ء کے ایک اندازے کے مطابق صرف 29.1 فیصد دیہی لڑکیاں خواندہ ہیں۔ (فیڈرل بیورو آف اسٹیٹکس 1995ء) جبکہ لڑکوں کی تعداد 63.2 فیصد ہے (ایجوکیشن اینڈ یوتھ سروے 92-1991ء)

نوجوان اور ایچ آئی وی/ایڈز

- عالمی طور پر نئے ایچ آئی وی انفیکشن کا نصف سے زیادہ 15 سے 24 برس کی عمر کے گروپ میں پایا جاتا ہے۔
- لڑکیاں خصوصی طور پر انفیکشن کا شکار ہیں۔ اگرچہ کہ یوگنڈا کے شماریات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ علاقوں میں 1990ء سے لڑکیوں میں انفیکشن کی شرح 50 فیصد تک گر گئی ہے۔ لیکن پھر بھی اسی عمر کے لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں میں اس انفیکشن کی شرح چھ گنا زیادہ ہے۔ ❀❀❀

وبائی جذبات

ویت نام کی جنگ کے ابتدائی دن تھے ایک امریکی دستے کو ویت کانگ کے ساتھ ایک آتشیں لڑائی میں چاول کے کھیت میں اترنا پڑا۔ اچانک چھ شخصوں نے ایک لائن میں کھیتوں کی منڈیر پر چلنا شروع کر دیا۔ وہ نہایت پرسکون اور مطمئن تھے اور سیدھے لائن آف فائرنگ کی جانب چل رہے تھے۔

امریکی سپاہیوں میں ایک ڈیوڈ بوش نے یاد کرتے ہوئے کہا "انہوں نے دائیں جانب نہیں دیکھا، انہوں نے بائیں طرف نہیں دیکھا۔ بس وہ سیدھے ہی چلتے جا رہے تھے۔ یہ منظر بہت ہی عجیب و غریب تھا۔ کیونکہ کسی نے بھی ان پر گولی نہیں چلائی اور جب وہ چلے گئے تو اچانک مجھ میں لڑنے کی قوت جواب دے گئی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اب مزید یہ جنگ و جدل نہیں چاہتا۔ کم از کم اس دن تو لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ احساس تقریباً ہر فرد میں جاگزیں ہو چکا تھا کیونکہ ہر شخص خاموش تھا۔ ہم نے بس لڑائی روک دی تھی۔"

ڈینئیل گولمین

ادھر ادھر سے

کیا آپ کالی چائے پیتے ہیں؟ اگر نہیں تو اب یہ کام شروع کرنے کا وقت شاید آپہنچا ہے۔ امریکہ میں ریسرچ کرنے والوں کو یقین ہے کہ دن بھر میں کالی چائے کے چار کپ نوش کرنے سے دل کی شریانوں کی بیماری کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ تحقیق کرنے والوں کے مطابق چائے میں اینٹی اوکسیڈنٹ شامل ہوتے ہیں جو کولیسٹرول کو نقصان پہنچانے سے باز رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔

بقیہ: تولیدی صحت

عالمی ایجنڈے کے طور پر قبول کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر یاسمین قاضی نے کہا کہ پاکستان میں (10 تا 19 برس) کی عمر کے نوجوان ایک اندازے کے مطابق کل آبادی کا 21.86 فیصد ہیں۔ اگر اس میں 25 برس کی جوان آبادی کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ گروہ 63 فیصد سے زیادہ تک بڑھ جائے گا۔ اس لئے معیاری بلوغیت کے لئے ایک جامع تولیدی صحت کی پالیسی ضرورت دوچند ہے۔ عالمی طور پر دیکھا جائے تو نوجوانوں کو فیصلہ سازی میں شامل نہیں کیا جاتا۔ ان کے لئے ذرائع مختص نہیں کئے جاتے اور ان سے بہت زیادہ منسلک مسائل کے بارے میں ان سے گفتگو نہیں کی جاتی۔ یہ رویہ امتیازی سلوک کا مظہر ہے۔ یوں بھی ہماری ملک میں لڑکیوں کو اپنی ابتدائی زندگی سے امتیاز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ تر لڑکیوں کی شادیاں کم عمری میں کردی جاتی ہیں۔ جو لڑکی کی تولیدی صحت پر مضر اثرات ڈالتی ہے اور لڑکی سے اس کا بچپن، کھیلنے کا حق، تعلیم اور تفریح کا حق چھین لیتی ہے۔ لڑکیوں کی غذائیت کی مخصوص ضروریات سے والدین واقفیت نہیں رکھتے۔ دیہی علاقوں میں ناکافی طبی سہولتیں اور خدمات جیسے عوامل لڑکیوں کی صحت کی خدمات تک رسائی کو محدود بنادیتے ہیں۔ بہت سے حالات میں نوجوان اپنے تولیدی صحت کے حقوق، ضرورتوں، صحتمند تولیدی رویئے اور عملی مشق کے بارے میں لاعلم ہیں۔

ڈاکٹر یاسمین قاضی نے کہا "حالات کے باعث نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد سماج دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہوجانے پر مجبور ہوئی ہے۔ مثلاً منشیات کی خرید و فروخت، تجارتی جنسی کاروبار وغیرہ۔ جنسی طور پر منتقل ہونے والی بیماریوں، ایڈز اور ذہنی بیماریوں کے خدمات بھی ان لوگوں میں حد درجہ پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر یاسمین قاضی نے بتایا کہ پاؤنا 25 این جی اوز اور سی بی اوز کی شراکت داری میں 2 ملین (20 لاکھ) سے زیادہ افراد کو مانع حمل کی خدمات مہیا کر رہی ہے۔ جس میں سرجری بھی شامل ہے۔ پاؤنا نے پیکارڈ فاؤنڈیشن کے تعاون سے صوبہ سندھ میں نوجوانوں کے چار یوتھ سینٹرز قائم کئے ہیں۔ جن میں سے دو کراچی کے علاقے کورنگی اور دو لاڑکانہ میں ہیں۔ دونوں شہروں میں ایک مرکز لڑکیوں اور ایک لڑکوں کے لئے مخصوص ہے۔ ان مراکز میں 13 سے 25 برس کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مختلف شعبوں میں فنی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مثلاً یہاں انگریزی زبان سیکھنے، کمپیوٹر، بیوٹیشن، فزیکل فٹنس، ہم سر تعلیم و تربیت اور طبی مشوروں وغیرہ میں کوچنگ اور تربیت مہیا کی جاتی ہے۔ تاکہ نوجوان اپنی مہارتوں کی نشوونما کرسکیں اور پھر معاشی سرگرمیوں میں شامل ہوسکیں۔

ڈاکٹر یاسمین قاضی کے مطابق پاؤنا کے یوتھ سینٹروں کے قیام کا مقصد مجموعی طور پر نوجوانوں اور جوان افراد کی تولیدی صحت کی حیثیت کو بہتر بنانا ہے انہوں نے بتایا "ہم ان یوتھ مراکز کے ذریعے نوجوانوں کو تعلیمی اور تفریحی ماحول کے ساتھ ان کی تولیدی صحت کے بارے میں معلومات اور خدمات فراہم کر رہے ہیں۔ اور صحت کے بارے میں معلومات اور خدمات فراہم کر رہے ہیں اور آگاہی بڑھانے والے پروگراموں کے ذریعے نوجوان افراد کے رویئے میں تبدیلی لانے کی کوشش کر رہے ہیں، صحت مندانہ سرگرمیوں کے فروغ کے لئے کھیلوں کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ نوجوانوں کی بہتر صحت کے لئے طبی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں اور کلینک بھی بنائے گئے ہیں جہاں مستند طبی ماہرین نوجوانوں کو ان کی صحت کے حوالے سے مشورے دیتے ہیں اور ان سے بات چیت بھی کرتے ہیں۔ وزارت بہبود آبادی کے ایڈیشنل سیکریٹری جناب شہاب خواجہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ پاکستان میں لڑکیوں کی آبادی 21.6 فیصد ہے 10 تا 14 اور 15 تا 19 برس کی لڑکیوں کی آبادی بالترتیب 12.2 اور 9.4 فیصد ہے۔ مجموعی طور پر ملک کی نوجوان آبادی 43 فیصد یا 3 کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ایسی عمر ہے جب انسان اپنے بچپن کو الوداع کہتا ہے اور ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ اس دور میں اسے اپنی جسمانی تبدیلیوں کو سمجھنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں ان مسائل کو سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ صرف ان کے لئے ہی نہیں پورے معاشرے کے لئے پریشان کن ثابت ہوسکتے ہیں۔ 3 کروڑ سے زیادہ آبادی کے اس حصے کے لئے صحت کی خصوصی پالیسی کی ضرورت ہے کیونکہ ہم اس طبقے کو کسی بھی صورت میں نظرانداز نہیں کرسکتے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں ان سے بات کی جاسکتی ہے اور ان کی بات کو آسانی سے سمجھا بھی جاسکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ماہرین یہ سمجھتے ہیں کہ اسکول اور کالج کا نصاب تولیدی صحت کی معلومات فراہم نہیں کرتا اور ہماری تہذیب اور رسم و رواج بچوں اور والدین کے درمیان ان مسائل پر کسی قسم کی گفتگو کی اجازت نہیں دیتے اور شہری معاشرے کی جو تنظیمیں اس موضوع پر کام کر رہی ہیں انہیں انتہا پسند گروہوں کے عتاب کا خوف لاحق ہے اس لئے درست اور مناسب معلومات کی غیر موجودگی کے باعث نوجوان الجھن اور پریشانی کا شکار ہیں۔ ورکشاپ کے اس افتتاحی اجلاس کے شرکاء کے سامنے پاؤنا یوتھ سینٹر کے پیرلیڈروں نے ایک کھیل "کانچ اور خواہشات" پیش کیا جس میں نوجوانوں اور جوانوں کی حالت زار پر روشنی ڈالی گئی۔

اس کھیل میں ایک نوجوان لڑکی کی شادی زبردستی ایک بیکار جوان لڑکے سے کردی جاتی ہے۔ لڑکی پڑھنے اور مختلف ہنر سیکھنے کی خواہشمند تھی تاکہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکے، لیکن باپ کو بیٹی کا پڑھنا لکھنا سخت ناپسند تھا۔ اس کے پاس بیٹی کی کتابوں کے لئے پیسے نہیں تھے لیکن بیٹے کو پکنک پر بھیجنے کے لئے بہت پیسے تھے۔ بیٹے کے لئے محبت ہی محبت تھی لیکن بیٹی کے لئے محبت کے دو بول نہیں تھے۔ بیوی اور بیٹی کی حیثیت پیر کی جوتی کے برابر تھی۔ لڑکی کی شادی ہوجاتی ہے اور ماں بنتی ہے۔ وہ بیمار ہوتی ہے تو ساس اسے ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جاتی۔ آخر بیماری اور کام کے بوجھ سے وہ جلد ہی مرجاتی ہے۔ اس وقت شوہر کو احساس ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی کم عمری میں شادی نہیں ہونی چاہئے تولیدی صحت کے بارے میں انہیں علم نہیں ہوتا اور گھر والے بھی ان کی صحت کی طرف سے غفلت برتتے ہیں۔ یہ ایک دل دکھانے والا کھیل تھا اور ہمارے دیہی اور کم تعلیم یافتہ گھرانوں کی لڑکیوں کا المیہ انجام تھا۔ جہاں لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے اور کم عمری میں ان کی شادیاں کردی جاتی ہیں۔ کھیل کو بہت دلچسپی اور احساس کے ساتھ دیکھا گیا اور پسند کیا گیا۔

"نوجوانوں کی تولیدی صحت میں فعال رہنماؤں کی تیاری" کے موضوع پر ہونے والے اس چار روزہ قومی تربیتی ورکشاپ میں پورے ملک سے 19 این جی اوز کے 23 نمائندوں نے شرکت کی۔ جس میں لیکچروں کے علاوہ انہیں پاؤنا کے کورنگی میں واقع یوتھ سینٹروں میں بھی لے جایا گیا۔

ورکشاپ کے افتتاحی اجلاس سے ڈاکٹر جبین عباس اور ڈاکٹر عبدالقیوم نے بھی خطاب کیا۔ ❀❀❀ (آئی پی سی فیچر سروس)

نعمان احمد

پانی کی فراہمی: امور برائے بحث وتنقید

کے ڈبلیو ایس بی کے لئے واجبات کی وصولی سب سے بڑا مسئلہ ہے

یہ مختصر جامع مطالعہ دو پہلوؤں پانی کی ترسیل کا ادارہ جاتی انتظام اور حفظان صحت جگہ کی سطح پر بنیادی ڈھانچے کی حیثیت (خصوصی طور پر کم آمدنی والے علاقے میں) پر مرکوز ہوگا۔

موجودہ صورتحال

- کراچی کو ہونے والی پانی کی فراہمی کل آبادی کے نصف کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔ کل طلب 594 ایم جی ڈی ہے جبکہ فراہمی تقریباً 435 ایم جی ڈی ہے (کے ڈبلیو ایس بی کے مطابق) اس کا 20 فیصد رساؤ ضیاع اور چوری کے باعث ضائع ہو جاتا ہے۔
- متعدد سرکاری دستاویزات میں بتایا گیا ہے کہ کے ڈبلیو ایس بی پر 46 بلین روپوں کے قرضے کا بوجھ ہے۔ حکومت کے پاس سب سے اچھا حل کے ڈبلیو ایس بی کی نجکاری تھا۔ اس خیال کے ساتھ حکومت سندھ نے کارروائی کی جسے معاشرے کے تمام طبقوں کی جانب سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔
- سیاسی تقرریوں کے ذریعے ضرورت سے زیادہ عملہ رکھا گیا جس نے سب سے بڑا مسئلہ پیدا کیا۔ یہ بتایا گیا ہے کہ 1995-96ء میں نچلے درجے کے عملے میں 4500 اضافی بھرتیاں کی گئیں۔
- کے ڈبلیو ایس بی کے لئے اپنے واجبات کی وصولی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ کے ڈبلیو ایس بی کے ذرائع کے مطابق جاری ہونے والے 1.1 ملین بلوں میں سے صرف 161,000 کی وصولی ہوئی (اندازاً 7 فیصد)
- سب سے اہم ترقیاتی اور توسیع منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی کے ڈبلیو ایس بی کو ڈونرز کی دستگیری و اعانت پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ کے 2 اور کے 3 کے منصوبوں کو بھی اعانت کی دستیابی کے بعد ہی شروع کیا جا سکا۔
- کے ڈبلیو ایس بی شہر کی اولین اور ثانوی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ یہ پیدا ہونے والے وسیع سیوریج کے مشکل، سے 20 فیصد سے نمٹتا ہے۔
- کم آمدنی والے علاقے پانی فروخت کرنے کے مختلف طریقوں کے ذریعے پانی خریدنے پر مجبور ہیں۔ تجارتی ٹینکر کے ذریعے پانی کی قیمت 20 پیسے فی گیلن ادا کرنی پڑتی ہے کے ڈبلیو ایس بی کا ٹینکر 07 پیسے فی گیلن کے حساب سے پانی فراہم کرتا ہے۔ جبکہ گدھا گاڑی 80 پیسے فی گیلن کے حساب سے پانی فروخت کرتی ہے۔ ریڑھی 30 پیسے فی گیلن اور بہشتی 50 پیسے فی گیلن کے حساب سے پانی فروخت کرتے ہیں۔ جبکہ پڑوسیوں یا پانی کے کاروباری پائپ سے 35 پیسے فی گیلن پانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔
- شہر کو پانی کی فراہمی بیرونی ذرائع سے ہوسکتی ہے جو 150 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں، لوگوں تک پہنچانے کا سب سے بڑا عامل ہے جو فراہمی سے وابستہ ہے۔
- اگرچہ شہر میں تین سیوریج ٹریٹمنٹ پلانٹس ہیں لیکن سیوریج صاف ہوئے بغیر سمندر میں جا گرتا ہے۔
- لوگ اپنے واجبات ادا کرنے سے ہچکچاتے ہیں کیونکہ انہیں اسی تناسب سے خدمات مہیا نہیں ہوتیں۔ کچھ کے قریب پانی ایک بے قیمت چیز ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کیونکہ وہ کے ڈبلیو ایس بی کے ذریعے پانی حاصل نہیں کرتے اس لئے وہ پانی کا بل ادا کرنے کے پابند نہیں ہیں۔
- کے ڈبلیو ایس بی یہ سمجھتی ہے کہ پی ایس پی پانی کی موثر اور منصفانہ سپلائی اور حفظان صحت کے ایسے نظام کو پیدا کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے جس کی رسائی معاشرے کے تمام طبقوں تک ہوگی۔
- کراچی شہر میں کئی سو کچی آبادیاں ہیں جن میں سے 326 آبادیوں کا او پی پی کا سروے کیا جہاں لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت پانی اور سیوریج کی لائنیں ڈالی ہیں اور ان خدمات پر 450 ملین روپے خرچ کئے ہیں حکومت نے بھی تقریباً اتنی ہی رقم کی سرمایہ کاری ایسی ہی خدمات پر کی ہے۔ اس طرح تقریباً 900 ملین روپے پانی اور

حفظان صحت

پرانی لائنیں فرسودہ اور کمزور ہوچکی ہیں، پانی اور سیوریج کی آمیزش اکثر و بیشتر ہوتی رہتی ہے، کم آمدنی والی آبادیوں میں سیوریج کا بوجھ گنجائش سے زیادہ ہے

حفظان صحت پر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ جبکہ حکومت لوگوں کی سرمایہ کاری اور کوششوں کا اعتراف نہیں کرتی۔ چنانچہ عوام کی یہ کوششیں اور سرمایہ کاری منصوبہ بندی کے کسی عمل کا حصہ نہیں بنتیں۔ ابھی تک یہ واضح نہیں ہے کہ منصوبہ بندی اور ترقی کے کسی کام میں عوام کی سرمایہ کاری کس کھاتے میں رکھی جائے گی چاہے وہ نجکاری سے متعلق ہوں۔

نجکاری

- کے ڈبلیو ایس بی کا عملہ پی ایس پی کے حد درجہ مخالف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آمدنی کی وصولی کی بعض انتظامی تبدیلیاں اور سخت ضابطے پانی کی سپلائی اور حفظان صحت کی خدمات کو بہتر بنا سکتے ہیں۔
- جبکہ بلڈرز اور ڈیولپرز عام طور پر نجکاری کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نجکاری کا مقصد خدمات کی سطح کو بہتر بنانا ہونا چاہئے۔
- مقامی سیاستدان نجکاری کے برخلاف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر نجکاری کی گئی تو بے روزگاری میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔
- مشیر نجکاری کو نجی اجارہ داریاں پیدا کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ پی ایس پی کو غریبوں کے لئے صارف دوست کی حیثیت سے متبادل نہیں سمجھتے۔
- منتظم شہری گروپوں کا ملا جلا نظریہ ہے۔ ایک گروپ نجکاری کو ایک پہنچنے والا انتخاب سمجھتے ہیں کیونکہ موجودہ نظام نے ادائیگی کرنے والے شہریوں کو کافی تحفظ فراہم نہیں کیا۔ دوسرا گروپ اپنے تحفظات کا اظہار کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نجکاری عوام کے کنٹرول کو ختم کردے گا اور بے روزگاری میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ شہری منتظم بھی انہی دلائل پر نجکاری کے خیال کو رد کرتے ہیں۔
- منصوبہ بندی اور بغیر منصوبہ بندی کے تحت آباد دونوں علاقوں کے رہائش کنندگان نجکاری کے خلاف ہیں۔

علاقے کی سطح کا بنیادی ڈھانچہ

- شہر کی آخری حدوں پر آبادیاں مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ ان کا سائز اور حجم بڑھ رہا ہے وہ پانی کی فراہمی سے متعلق بنیادی ڈھانچے تک رسائی کے مسائل سے دو چار ہیں۔
- کراچی میں غیر قانونی کنکشن تقریباً تمام کم آمدنی (درمیانی اور زیادہ آمدنی والے علاقے بھی) والے علاقوں میں عام ہیں۔

کچی آبادیوں میں پانی کی سپلائی کا نیٹ ورک مقامی حکومت کے انتظامات کی مختلف ساختوں نے قائم کیئے یا لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت قائم کیا ہے۔

- پرانی اور فرسودہ لائنیں کمزور ہیں اور جاذب بن چکی ہیں بہت سے واقعات میں یہ لائنیں سیوریج لائنوں کے نزدیک ڈالی گئی ہیں۔ چنانچہ پینے کے پانی میں سیوریج کے پانی کی آمیزش اکثر و بیشتر ہوتی ہے۔
- بہت سے واقعات میں پانی کے بنیادی ڈھانچے کے نقشے اور نئے منصوبے دستیاب نہیں ہیں۔ ایسی صورتحال میں طریق عمل اور دیکھ بھال کے فرائض کی انجام دہی دشوار ہو جاتی ہے۔
- کراچی غربی میں بہت سے مقامات جب ڈیم سے فراہمی کی غیر موجودگی سے متاثر ہیں۔ نتیجے میں لوگ مایوسی اور ناامیدی کے تحت پانی کی سپلائی کے حصول کے لئے بنیادی ڈھانچے کو خود ہی تباہ کر دیتے ہیں۔
- آبادی کے غیر مساوی نمونوں کے باعث بیرونی ذرائع سے پیدا ہونے والا سیوریج کم آمدنی والی آبادیوں سے گزرتا ہے۔ جہاں کہیں بھی رکاوٹ یا سطح کا فرق ہو تو یہ باہر ابل آتا ہے۔
- بہت سے واقعات میں سیوریج نظام جو یا تو بذات خود لوگوں نے قائم کیا ہو یا مقامی حکومت کے کسی ادارے نے بنایا ہو کسی ثانوی مسلسل نکاس/نالہ/بدرو کی غیر موجودگی کے باعث کام کرنا بند کر دیتا ہے۔
- پرانی اور بوسیدہ اندرونی نالیاں سیلابی پانی کی کھلی نالیوں میں گرتی ہیں یا مکانوں کی پشت سے گزرنے والی کھلی نالیاں مسلسل ٹھوس کوڑے کرکٹ ڈالنے کے باعث متاثر ہوتی ہیں۔
- لوگ اور ان کی تنظیمیں صرف فوری مسائل پر توجہ دیتے ہیں۔ جب کوئی نالی یا مین ہول ایک ناقابل برداشت مرحلے تک ابلنے لگے تب ہی کوئی پرائیویٹ کنڈی مین، کے ڈبلیو ایس بی یا کے ایم سی سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔
- مین ہول کے ڈھکنوں اور پتھریلے ڈھکنوں کی چوری دیکھ بھال کا ایک مستقل مسئلہ ہے۔ کچی آبادیوں میں یہ چوری ہوتے ہیں اور بازار میں 60 سے 90 روپے میں فروخت ہوتے ہیں۔
- پمپنگ کی سہولتیں عام طور پر بے کار ہوتی ہیں اور دیکھ بھال و مرمت کے دائمی مسائل سے دو چار ہوتی ہیں۔
- کم آمدنی والی آبادیوں کے گنجان پن نے سیوریج کے حجم کو بڑھایا ہے۔ لیاقت آباد کے بیشتر بلاکوں میں یہ ایک عام مسئلہ ہے۔

فیصلے اور سفارشات

- متعلقہ فیصلہ کرنے والوں کی تیار کردہ نجکاری کی حکمت عملی صرف مالیاتی حصے کا حل ہے۔ وہ ایک استدلال خدمت کی بہتری کی ضمانت نہیں دیتی۔
- کے ڈبلیو ایس بی کی انتظامیہ کے مختلف درجات کی جانب سے فرائض کی انجام دہی کی غیر موجودگی نجکاری کی حکمت عملی کے نفاذ میں ایک سنجیدہ مسئلہ پیدا کرے گی۔
- نجکاری کی تخلیق اور نفاذ کا باعث بننے والے محرکات واضح طور پر توجہ دلاتے ہیں کہ اسے ایک بڑی سطح کے فیصلے کی حیثیت سے تھوپ دیا گیا ہے اور بنیادی زمینی حقیقتوں کا اندازہ نہیں لگایا گیا۔
- کے ڈبلیو ایس بی کو مالیاتی طور پر کمزور اور ناکام قرار دے دیا گیا، لیکن فیصلہ کرنے کے دوران معاملات کو اس نہج پر لانے والی وجوہات کو نہ تو تحریری شکل میں لایا گیا اور نہ ہی ان کا تجزیہ کیا گیا۔
- پانی کی فراہمی اور حفظان صحت کے شعبے میں کام کرنے والے باہمی رابطوں کے مختلف نظاموں کو کسی خاطر میں نہیں لایا گیا۔
- نجکاری کی مجوزہ حکمت عملی سے قائل کرنے والی کوئی شہادت ظاہر نہیں ہوتی کہ نجکاری کے بعد نظام کس طرح بہتر ہوگا کیونکہ مجوزہ نجی شعبے کو صرف محاصل کے نفاذ اور آمدنی کی وصولیابی پر اپنی توجہ مذکور رکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔
- مجوزہ محاصل کی شرح پر پانی کی نجکاری کے بعد کے مرکب اثرات بہت شدید ہوں گے، اگرچہ کہ اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا یا تجزیہ نہیں کیا گیا۔
- نظریاتی طور پر نجکاری کے مقاصد پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔
- ایک ایسی رسائی اور پہنچ کی اختراع ہونی چاہئے جس میں پانی کو ایک عوامی بہبود کی حیثیت سے نجی شعبے کی مناسب شرکت کے ذریعے لوگوں کو سپلائی کیا جا سکے۔
- ساخت کے لحاظ سے کے ڈبلیو ایس بی کی خدمات کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔
- جیسا کہ مختلف اسٹیک ہولڈروں نے تجویز کیا ہے اور کے ڈبلیو ایس بی کی بیلنس شیٹ سے بھی یہ ظاہر ہے کہ موجودہ بلنگ ڈھانچے پر مبنی پانی کے زیادہ سے زیادہ اخراجات کی وصولیابی کے لئے ایک ٹھوس کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔
- اندرونی بنیادی ڈھانچے کی کارکردگی اور برقرار رکھنے کے عمل کا انحصار ثانوی بنیادی ڈھانچے سے اس کے رابطے پر ہے۔ جہاں بھی اسے ممکن بنایا گیا نظام کارگر رہا ہے۔
- او اینڈ ایم کے بنیادی ڈھانچے کی بنیادی حیثیت کو آشکار کیا ہے۔ لائنیں بچھانے، معاہدے کرنے، کارکردگی، مرمت اور بنیادی ڈھانچے کی دیکھ بھال سے متعلق مسائل کے بارے میں تحقیق کی وضاحت کی اشد ضرورت ہے۔ ❁❁

نعمان احمد، چیئرمین
شعبہ فن تعمیر ٹاؤن پلاننگ
این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ
اینڈ ٹیکنالوجی۔ کراچی

بقیہ: کراچی میوزیم

مالیات

یہ مجوزہ منصوبہ مالی اعتبار سے قابل عمل ہے۔ ابتداء میں اسے ذخیرہ اور تحقیقی یونٹ کی حیثیت سے ایک بڑی عمارت میں میزبان ادارے یا تنظیم کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ ایک یا دو برس کے ذخیرے کی بنیاد پر یہ ''کراچی سے محبت کرنے والوں'' اور مخیّر افراد کی مالی امداد حاصل کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت اور مقامی ادارے مثلاً کے ڈی اے۔ کے ایم سی۔ کے پی ٹی۔ ڈی ایچ اے۔ کنٹونمنٹ بورڈ وغیرہ اس قسم کے منصوبے کے فطری معاون اور مددگار ہونے چاہئیں۔ دیگر سرکاری شعبے جیسے ثقافت۔ سیاحت۔ آثارقدیمہ وغیرہ کو بھی اس منصوبے کی سرپرستی کرنی چاہیئے۔ وقت کے ساتھ کے ایم اے دوروں کے طریق عمل۔ تصانیف اور نمائشوں وغیرہ کے ذریعے خود اپنے ذرائع اور فنڈ پیدا کرسکتا ہے۔

جائے وقوع

یہ ابتدائی تنظیمی ڈھانچہ (عارضی) میزبان تنظیم کے کسی بھی بڑے ہال والے دفتر میں قائم کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسے منصوبے کے لئے انتہائی آئیڈیل جائے وقوع جیل چورنگی سے نیپا چورنگی کے درمیان کسی ایک خصوصی مقام پر ہوسکتا ہے۔ یہ ''لائین'' میٹروپولیٹن کے دو نمایاں حصوں کے نقطہ اتصال پر ہے اور آسان قابل رسائی ہے چاہے یہ ڈیفنس، کلفٹن، پی ای سی ایچ ایس یا گلشن، فیڈرل بی ایریا، ناظم آباد اور نیو کراچی وغیرہ ہو یہاں پہلے ہی چند اہم ادارے مثلاً سوک سینٹر، نیپا، ای پی بی نمائش مرکز کے علاوہ کچھ کالج بھی موجود ہیں۔ سینٹرل جیل کے یہاں سے منتقل ہونے کے حقیقی امکانات موجود ہیں جس سے مجوزہ کے ایم اے کے لئے ممکنہ جائے وقوع اور عمارات حاصل ہوسکتی ہیں اس کے علاوہ اس وقت سبزی منڈی کی خالی جگہ بھی دستیاب ہے۔

- ای پی بی کنونشن سینٹر سے ملحقہ جگہ (نزد سوک سینٹر)
- کارساز روڈ پر میری ٹائم میوزیم سے ملحق جگہ۔
- ہندو جیم خانہ کو بھی کے ایم اے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔
- موہٹہ پیلس کو کے ایم اے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

تمام فوائد اور نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے بہترین ممکنہ اور آسان رسائی کی جگہ یونیورسٹی روڈ پر واقع سبزی منڈی کا خالی پلاٹ ہوسکتا ہے جو کے ڈی اے سوک سینٹر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ابتدائی طور پر منصوبے کو کسی عارضی جائے مقام پر قائم کیا جاسکتا ہے، تاکہ ضروری دستاویزات، اعداد و شمار اور نمائشی مواد جمع اور پیدا کیا جاسکے۔

ٹین کے ڈبے

- ٹین کے پرانے ڈبے جمع کریں۔ انہیں باہر مت پھینکیں۔
- یہی تو سب ری سائیکلنگ کا قصہ ہے۔
- ٹین کے یہ ڈبے بس ہماری زمین پر شور مچاتے ہیں۔
- تو انہیں ری سائیکل کریں اور اپنی بات پر اڑ جائیں۔
- انہیں تلاش کریں۔ انہیں توڑیں موڑیں اور کچل دیں۔
- پھر انہیں بیچ دیں۔ آپ کو کچھ پیسے ملیں گے۔
- اگر آپ امیر بھی ہوئے تو بھی۔ ری سائیکلنگ ہماری زمین کو زیادہ صحت مند رکھے گی۔

بشکریہ

ارتھ بک فار کڈز۔ بی لنڈا اشوارٹز

امکانی صورت

اس راستے کے ساتھ ساتھ کے ایم اے اور آخرکار ایک کے سی پی (کراچی ثقافتی مرکز) کے قیام کے لئے متعدد تجاویز اور تصورات دی جاسکتی ہیں جس کی توسیع کراچی یونیورسٹی تک ہوسکتی ہے۔ مثلاً

- سبزی منڈی کی جگہ اس وقت دستیاب ہے اس پر کے ایم اے کے عمارتی احاطے اور کھلی جگہ کے لئے نشانی لگائی جاسکتی ہے۔ جہاں پرانی ٹرام وے وغیرہ جیسی چیزوں کی نمائش ہوسکتی ہے۔ سینٹرل جیل کی عمارات (جب خالی ہوں) کے ایم اے کے لئے مخصوص کی جاسکتی ہیں۔ کراچی میوزیم اور محافظ خانے کی ضرورتوں کے مطابق بڑے ہال اور عمارتوں میں مناسب ردوبدل، قطع و برید اور آرائش کی جاسکتی ہے۔
- کے ایم اے موجودہ اداروں میں سے کسی کا ایک حصہ بن سکتا ہے مثلاً کراچی یونیورسٹی، این ای ڈی، یونیورسٹی، ایس ایس یو ٹی، عثمان انسٹی ٹیوٹ، اردو کالج، کے ڈی اے، ڈی اے پی، ڈی سی ای ٹی، صادقین گیلری، ہمدرد یونیورسٹی، ای پی بی، پی آئی اے وغیرہ (بشرطیکہ ان اداروں میں سے کوئی کے ایم اے کی میزبانی کے لئے تیار ہو)

پرانی ٹرم وے کو دوبارہ تخلیق کیا جاسکتا ہے جو حقیقت میں یونیورسٹی روڈ کے ساتھ ساتھ چلائی جاسکتی ہے اور کے ایم اے احاطے سے ملحق سیدھے خط میں پارک ہوسکتی ہے۔

اختتامیہ

فی الوقت ایک لاہور میوزیم کے قیام کی ایک فعال کوشش ہو رہی ہے، پرانی ٹولنٹن مارکیٹ بھی اس میں شامل ہوگی۔ 13 ملین سے زیادہ آبادی والے میگاپولیس شہر کراچی کو حقیقتاً ایک کراچی میوزیم اینڈ محافظ خانے کی فوری طور پر ضرورت ہے۔ ❀❀❀

پروفیسر کوثر بشیر احمد۔ کوآرڈینیٹر۔ کراچی میگا سٹیز پروجیکٹ۔ سابق ڈین۔ کلیہ فن تعمیر و منصوبہ بندی۔
این ای ڈی یونیورسٹی، ڈی سی اے ٹی۔ کراچی

شہری نے اپنی ویب سائٹ کا افتتاح کیا

شہری کے منصوبوں اور سرگرمیوں کے بارے میں تازہ ترین معلومات کے حصول اور ہمارے کام میں شرکت کے لئے برائے مہربانی ہماری باہم فعال ویب سائٹ پر آیئے۔

www.shehri.org

ذرا سوچیے

اگر آپ کو یہ احساس ہو کہ کل کے مقابلے میں آج آپ کچھ دانا و خردمند نہیں تھے تو آج آپ زیادہ عقلمند، دانا و خردمند ہیں۔

پروفیسر کوثر بشیر احمد

کراچی میوزیم اور ثقافتی خزینے

خصوصی عجائب گھر کے قیام کی تجویز محبت کی آبیاری کرے گی

ہم اکثر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ ”ہمارا ایک ایسا شہر ہے جس سے کوئی محبت نہیں کرتا۔“ اس سے پہلے کہ اس کی محبت اس کے باسیوں میں اپنی جڑیں بنائے شہر کو جاننا، سمجھنا اور عزیز جاننا ضروری ہے کسی زمانے میں مشرق کا پیرس اور شہروں کی دلہن سے منسوب شہر کے لئے ایک خصوصی عجائب گھر اور سرکاری ریکارڈ رکھنے جگہ کے قیام کی تجویز آہستہ روی کے ساتھ محبت کی آبیاری کرے گی، یادِ وطن کی خواہش پیدا کرے گی اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق تحقیقی سرگرمیوں کی تکمیل کے ساتھ کراچی کے باشندوں کو اپنے سینے سے لگائے گی۔

مقاصد

کراچی پہلے ہی بڑے شہر کی حیثیت حاصل کرچکا ہے کیونکہ اس کی آبادی 13 ملین نفوس سے زیادہ ہوچکی ہے۔ دیگر بڑے شہروں اور اہم شہری مراکز کی مانند کراچی بھی ایک ایسے خوشگوار ثقافتی مرکز کا مستحق ہے جہاں مختلف النوع سماجی اور ثقافتی سرگرمیاں جاری رکھی جاسکیں۔ کراچی ثقافتی مرکز کے علاوہ ہمیں شہر کی تاریخ اور جاری جسمانی وجود اور ترقی سے متعلق ایک علیحدہ عجائب گھر اور محافظ خانہ کو بنانے کی ضرورت ہے۔ اس منصوبے کا مقصد شہر کے لئے ایک کراچی میوزیم اور آرچیوز کو منظم کرنا اور آخرالامر شہر کے ایک مناسب مقام پر واقع کراچی ثقافتی مرکز کا لازمی حصہ بنانا ہے۔

تجویز

اولین ضرورت عمارتی احاطے کی ہے جو ایسے مناسب مقام پر واقع ہو جہاں عام لوگ اور خواہشمند دانشوروں کی رسائی ہوسکے اور جہاں کراچی سے متعلق تمام مواد رکھا جاسکے۔

اس مرکز میں مائیکروفلمنگ، انفارمیشن ٹیکنالوجی وغیرہ کی سہولتیں بھی ہونی چاہئیں۔

کراچی میوزیم اور محافظ خانے کے لئے مختلف عملے کی تقرری ضروری ہے کیونکہ یہ دائمی بنیادوں پر ایک تحقیقی اکائی کی حیثیت سے منظم ہوگا۔

انتظامی ڈھانچہ

اپنے بنیادی انتظامی ڈھانچے کے لئے کراچی میوزیم اور محافظ خانے کو بنیادی طور پر مندرجہ ذیل ڈھانچے اور سہولتوں کی ضرورت ہوگی جو مستقبل میں ضرورت کے مطابق پھل پھول سکتے ہیں۔

- عمارت جو عام لوگوں، محققوں اور دانشوروں کی آسان رسائی میں ہو۔
- ماہرین بشمول کوآرڈینیٹر، کمپیوٹر آپریٹر اور معاون عملہ وغیرہ۔
- کمپیوٹرز، عام فرنیچر، میوزیم، خصوصی انتظامی ڈھانچہ اور فیکس، ای میل ویب سائٹ وغیرہ تک رسائی۔
- کراچی میوزیم محافظ خانے مندرجہ فرائض سرانجام دے گا۔
- عوامی آگاہی کا ایک مرکز۔
- علماء، دانشوروں، محققین، صحافیوں، طلباء وغیرہ کے لئے تحقیقی مرکز۔
- سیاحوں اور مہمان اسکالروں کے لئے خصوصی کشش۔
- کراچی پر مواد اور لٹریچر کا اشاعتی مرکز۔
- کراچی پر موضوعاتی تحقیقات اور خصوصی نمائشوں، سیمینار اور کانفرنسیں۔
- شہر کی مستقبل کی ترقی اور منصوبہ بندی پر کام کرنے والے اداروں کے لئے آرچیوز اور مددگار مرکز۔
- کراچی پر باہمی عمل کے مطالعوں سے منسلک این جی اوز۔ سی بی اوز۔ سرکاری اداروں اور تعلیمی اداروں کے لئے ایک اتحاد و ربط کا ایک مرکز۔

ذخیرہ

کے ایم اے کو مندرجہ ذرائع اور ڈیٹا میٹریل مستقل بنیادوں پر اکٹھا کرنا چاہیے۔

- کراچی پر لکھی گئیں کتابیں، رسائل اور دیگر ادب۔
- تاریخی اور جدید نقشے۔
- تصاویر، ٹرانسپیرنسیاں اور ملٹی میڈیا۔
- کراچی کی این جی اوز۔ سی بی اوز سرکاری اور نجی تنظیموں وغیرہ کی تصانیف۔
- اخبارات اور رسائل کی متعلقہ تراشے۔
- مخصوص مقامات پر تصاویر، نمائشیں اور (مشہور شعرا کی نظمیں)
- دلچسپ، تاریخی اور اہم یادگار اشیاء۔
- کے ایم اے کے مقام اور کسی دوسرے مقام پر بھی کے ایم اے کے تائید کردہ خصوصی بحالی اور تحفظ کے منصوبے (مثلاً کراچی کی پرانی ٹرام وے، سبیلوں کے ذریعے پانی، فوارے، کسی کے نام کی یادگار، ٹرانسپورٹ گاڑیاں، منتخب عمارات وغیرہ)
- منظم اور رہنما شہری دورے (مثلاً تاریخی کراچی۔ کراچی کے مضافات اور اس کے پار کراچی کے پارکس، جدید کراچی، کراچی واک جیسے صدر میں چرچ، پرانے شہر کی واک وغیرہ)
- شہر سے متعلق موضوعاتی نمائشیں اور دیگر تقریبات

(باقی صفحہ 23 پر ملاحظہ فرمائیں)